سیرت حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام
تالیف: علامہ محمد علی فاضل دامت برکاتہ
مؤسسہ علمی عالم آل محمد علیہم السلام۔ مشہد الرضا علیہ السلام
شہید حسین مظلوم

معصوم پنجم

حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام

آپؑ کا نام نامی اسم گرامی حسین(ع)۔کنیت:ابو عبداللہ،سید شباب اھل الجنۃ،سبط النبی اور مبارک جیسے کئی القاب بھی ہیں۔آپ کے والد گرامی کا اسم مبارک: علی،والدہ ماجدہ فاطمہ زہرا بنت رسول اللہ ہیں آپ کی ولادت باسعادت ۳،شعبان ۴ ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی اور دس محرم الحرام ۶۱ ھجری میں کربلا معلی میں شہادت ہوئی۔اس لحاظ سے آپ کی عمر مبارک ستاون سال بنتی ہے۔آپ کی چھ اولادیں ہیں تین فرزند اور تین صاحبزادیاں ہیں۔

پہلے حضرت امام سجاد علی بن الحسین زین العابدین ہیں۔جن کی مادر گرامی جناب شاہ زنان دختر یزد جرد ہیں۔دوسرے حضرت علی اکبر علیہ السلام ہیں جن کی شہادت کربلا میں ہوئی اور آپ کی مادر گرامی جناب لیلیٰ بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود ثقفی ہیں۔تیسرے فرزند جناب عبداللہ الرضیع جو علی اصغر کے نام سے مشہور ہیں اور آپ کی والدہ ماجدہ جناب رباب بنت امراؤ القیس ہیں۔

جبکہ جناب شیخ مفید فرماتے ہیں کہ آپ کے ایک اور فرزند بھی تھے جن کا نام جعفر بن الحسین ہے اور جن کی وفات مدینہ منورہ میں ہوگئی تھی۔

شیخ مفید فرماتے ہیں:آپ کی ایک صاحبزادی کا نام فاطمہ ہے اور ایک کا نام سکینہ ہے۔جن کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی جناب رباب بنت امراؤ القیس ہے۔جبکہ فاطمہ بنت الحسین کی والدہ ماجدہ ام اسحاق بنت طلحہ ہیں۔

حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کی حیات مبارکہ شجاعت،حریت اور ظلم وستم کے خلاف قیام وانقلاب سے عبارت ہے۔

آپ کی زندگی کے چھ سال اپنے نانا بزرگوار حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں گزرے حضور سرور کائنات کی رحلت کے بعد تیس سال اپنے والد بزرگوار امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے سایہ عاطفت میں گزارے اور ان کی خلافت کے دوران اہم ترین حوادثات میں فعالانہ طور پر شرکت فرمائی۔اور ۴۰ ہجری میں امیر المؤمنین علیہ السلام کی دردناک شہادت کے بعد دس سال تک اپنے برادر بزرگوار جناب حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے شانہ بشانہ سیاسی وسماجی میدان میں شریک کار رہے۔ اور ۵۰ ہجری میں امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت کے بعد دس سال امیر شام کی حکومت کے عروج کو بھی بنظر غائر دیکھتے رہے اور بارہا اس سے لفظی جنگ بھی کرتے رہے۔اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ناخلف بیٹے یزید کی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔جس کے نتیجے میں کربلا کا معرکہ وجود میں آیا اور راہ حق وحقیقت میں ۶۱ ہجری میں کربلا میں جام شہادت نوش فرمایا اور اسلام کو بقائے دوام کی سند عطا کی۔

امام عالیمقام کی زندگی کا آخری دورانیہ یعنی سن ۵۰ سے ۶۰ ہجری تک کا عرصہ آپ کی زندگی کا اہم ترین عرصہ شمار ہوتا ہے۔اور ہم بھی اسی دورانیے کو تفصیل سے عرض کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

دور امامت سے پہلے آپ علیہ السلام کا جہاد

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی جوانی کے دنوں میں مسلمان حکمرانوں کے انحراف کو ملاحظہ فرمایااور اپنے والد گرامی کے سیاسی مؤقف کی حمایت اور پیروی کی۔

چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ خلیفہ ثانی کے دور خلافت میں آپ مسجد نبوی میں داخل ہوئے دیکھا کہ وہ منبر رسولؐ پر بیٹھے ہوئے ہیں اگرچہ بچپن کا زمانہ تھا انہیں دیکھتے ہی منبر پر چڑھ گئے اور ان سے کہا: "اِنزِل عَنْ مِنْبَرِابِی" میرے بابا کے منبر سے نیچے اترو۔

قارئین! اس واقعہ کو ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب "الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ" جلد اول ص ۳۳۳ مطبوعہ بیروت دار احیاء التراث العربی مطبوعہ ۱۳۲۸ھ میں حافظ ابن عساکر نے اپنی کتاب تاریخ دمشق جلد مربوط بہ حال حسین بن علی ص ۱۴۱ میں ذکر کیا ہے۔

چنانچہ یہ صورت حال دیکھ کر وہ پریشان ہوگئے اور کہا: "بے شک یہ آپ کے باپ کا منبر ہے میرے باپ کا نہیں" یہ کہہ کر انہیں اپنے پاس بٹھالیا۔ پھر فوراً منبر سے اتر آئے اور انہیں اپنے گھر پہنچایا۔ اور پوچھا "آپ کو یہ بات جس نے بتائی ہے؟" فرمایا: "کسی نے نہیں!"

ناکثین و قاسطین کے ساتھ محاذ جنگ میں

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے والد گرامی کی خلافت کے دوران آپ کے ساتھ ساتھ سیاسی اور عسکری میدان میں شریک رہے۔ اس دوران امیر المؤمنین علیہ السلام کو جو تین جنگیں درپیش آئیں۔ آپ نے ان میں بھی فعالانہ شرکت فرمائی۔

آپ کے فضائل و مناقب میں شیعہ سنی ذرائع سے منقول ہونے والی اخبار واحادیث حد تواتر سے بھی زیادہ ہیں۔

آپ کا نام نامی اسم گرامی تاریخ انسانیت کی پیشانی کا جھومر ہے اور آپ کا الٰہی انقلاب عالم انسانیت میں اٹھنے والی انسانی تحریکوں اور برپا ہونے والے انقلابات کے لئے بے مثال نمونہ ہے۔ آپ درس گاہ فداکاری وجاں نثاری کے یکتا معلم اور شجاعت وشہادت کے یگانہ روزگار مربی ہیں سرکار ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آپ کے بارے میں ارشاد ہے: "اِنَّ لِلْحُسَیْنِ فِیْ بَوَاطِنِ الْمُؤمِنِیْنَ مَحَبَّۃً مَکْنُوْنَہً" حسین علیہ السلام کی محبت مؤمنین کے دلوں میں پوشیدہ سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہی ہے۔

اسی طرح حضور فرماتے ہیں: "اِنَّ الْحُسَیْنَ بَابٌ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّۃِ" حسین علیہ السلام بہشت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہیں۔

حضور گرامی قدر ہی کا فرمان ہے: "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میرا حسین زمین کی نسبت آسمانوں میں زیادہ عظمت کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے" فرمایا "حسینؑ زمین وآسمان کا زیور ہے۔" اور فرمایا: "اِنَّ الْحُسَیْنَ مِصْبَاحُ الْھُدٰی وَسَفِیْنَۃُ النِّجَاۃِ" حسین ہدایت کا چراغ اور نجات کا سفینہ ہے۔ اور فرمایا: "اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ اِمَامَانِ قَامَا اَوْقَعَدَا" حسن اور حسین دونوں امام ہیں چاہے جنگ کیلئے کھڑے ہو جائیں یا صلح کر کے بیٹھ جائیں۔

قارئین! جیسا کہ بتایا جاچکا ہے حضرت امام حسین علیہ السلام کی عمر مبارک ستاون سال ہے۔ سات سال اپنے جد بزرگوار حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ عاطفت میں گزارے ۳۷ برس اپنے پدر بزرگوار حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے دامان عاطفت میں بسر کئے، ۴۶ برس اپنے برادر بزرگوار جناب امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے شانہ بشانہ زندگی گزاری۔

امیر شام کی طرف سے صلح کی پیش کش پر اپنے بھائی امام حسن علیہ السلام کے ساتھ صلح نامہ پر دستخط فرمائے حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت کے بعد اہل کوفہ نے آپ کو خطوط لکھے کہ "آپ امیر شام کے خلاف کھڑے ہوں اسے معزول کر کے اپنی حکومت قائم کریں ہم

آپ کے ساتھ ہیں۔،، مگر آپ نے فرمایا: ’’چونکہ اس صلح نامہ پر میرے بھی دستخط ہیں،اور جب تک امیر شام زندہ ہے ہم صلح نامہ پر اپنی پوری قوت کے ساتھ قائم ہیں اور پیمان شکنی ہماری شان کے خلاف ہے‘‘

جب نیمہ رجب ۶۰ ہجری میں امیر شام اس دنیا سے رخصت ہوئے اور عہد نامہ کی شرائط کے برعکس اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین مقرر کیا اور ممالک اسلامیہ میں یزید کے کارندوں نے یزید کیلئے بیعت لی تو اس نے مدینہ میں اپنے گورنر ولید بن عتبہ کو خط لکھا کہ جتنا جلدی ہو سکے حسین بن علی علیہ السلام، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمان بن ابی بکر سے بیعت لو اگر کوئی بھی بیعت سے انکار کرے تو اس کا سر تن سے جدا کر دو۔

یہ خط ملتے ہی ولید نے ان چاروں کو بلا بھیجا۔انہیں ولید کے بلانے کا مقصد معلوم ہو گیا۔لٰہذا عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمان بن ابی بکر نے کہا: ’’ہم گھروں کے دروازے بند کر کے اندر بیٹھ جائیں گے یعنی گوشہ نشینی اختیار کر لیں گے اور کسی سے ہمارا کوئی سروکار نہیں ہوگا۔‘‘

عبداللہ بن زبیر راتوں رات مدینہ سے غیر معروف راستوں سے مکہ کی طرف چلے گئے جب ولید کو ان کی روانگی کا علم ہوا تو اس نے ان کی گرفتاری کیلئے سپاہی روانہ کر دیئے مگر وہ ان کے ہاتھ نہ آسکے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کچھ مسلح جوانان بنی ہاشم کے ہمراہ ولید کے پاس تشریف لے گئے اور ولید نے یزید کا خط پیش کیا۔آپ نے بیعتِ یزید سے سراسر انکار کر دیا اور واپس تشریف لے آئے اور اسی انکار کی بدولت کربلا کا دردناک تاریخی واقعہ پیش آیا اور آپ نے اپنے اصحاب وانصار اور افراد بنی ہاشم کے ہمراہ جام شہادت نوش کر کے اسلام کو بقاء دوام عطا کر دی۔

یہ تھا امام عالی مقام سید الشہداء اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کی زندگی کا خلاصہ اب ہم اسے تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد اول ص ۳۳۳ میں اس کو ذکر کیا ہے،

ابن عساکر لکھتے ہیں کہ جنگ صفین میں امیر المؤمنینؑ کے لشکر کے میسرہ کی کمان آپ کے ہاتھ میں تھی۔اور جنگ صفین میں آپؑ جہاں اپنی تقریروں اور خطبات سے لشکر امیر المؤمنین علیہ السلام کی ہمت افزائی فرماتے تھے وہاں پر عملی طور پر بھی جنگ میں نمایاں حصہ لیا۔جیسا کہ نصر بن مزاحم نے اپنی کتاب ’’الصفین‘‘ میں اسے ذکر کیا ہے۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے ہمراہ

امیر المؤمنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام حسین علیہ السلام اپنے امام زمانہ اور پیشوائے دوراں برادر بزرگوار حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے شانہ بشانہ شریک کار رہے۔سپاہ شام سے جنگ کیلئے حضرت امام حسن علیہ السلام کے ہمراہ شام کی طرف تشریف لے گئے۔

کتاب کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۴۰۵ کے مطابق جب امیر شام نے امام حسن علیہ السلام کو صلح کی پیشکش کی تو انہوں نے جناب امام حسین علیہ السلام اور جناب عبداللہ بن جعفرؑ کے ساتھ اس بارے میں مشورہ فرمایا اور اس مشاورت کے بعد انہوں نے اس پیش کش کو قبول فرمای اور پیمان صلح کے بعد آپ اپنے بھائی حضرت امام حسن علیہ السلام کے ہمراہ مدینہ تشریف لے آئے۔

امام حسین علیہ السلام کی امامت کے دور میں سیاسی اور سماجی صورت حال

اسلامی اصول و قواعد سے انحراف کا جو سلسلہ سقیفہ بنی ساعدہ سے شروع ہو کر تیسری خلافت کے دور تک وسیع ہو چکا تھا وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی امامت کے زمانے میں اپنے عروج کو پہنچ گیا۔امیر شام جو دوسری اور تیسری خلافت کے زمانے میں شام کے گورنر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا اس دوران میں اس نے اپنی حکومت کی گرفت مظبوط کرلی تھی امام حسین علیہ السلام کی امامت کے دور میں اس نے "خلیفۃ المسلمین" کے عنوان سے اپنی مستقل حکومت قائم کرلی اور مملکت اسلامیہ کی تقدیر سے کھیلنے کیلئے زمام حکومت کو مضبوطی سے تھام لیا اور اموی گروہ کو اسلامی امہ پر مسلط کر دیا اور زیاد بن ابیہ ، عمرو بن عاص، سَمرہ بن جندب وغیرہ جیسے ظالم و جابر کارندوں کے تعاون سے ایک استبدادی سلطنت کی بنیاد رکھ دی اور سلام کے چہرے کو مسخ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

امیر شام نے ایک طرف تو آزاد منش ، حریت پسند اور حق پرست مسلمانوں کے بارے میں سیاسی اور اقتصادی دباؤ کی سیاست کو اختیار کیا ہوا تھا اور قتل وغارت گری ایذار سانی ،اذیت ،آزاد، غربت و تنگدستی اور فقر و فاقہ کو مسلط کیا ہوا تھا اور ہر قسم کے اختلاف ، تحرک اور مخالفت کی عدم برداشت کا شیوہ اپنایا ہوا تھا تو دوسری طرف طبقاتی نظام کے احیاء اور قبائل کے درمیان اختلاف پیدا کر کے ان کو آپس میں لڑانے کی سیاست اختیار کی ہوئی تھی تاکہ ان کی انفرادی اور اجتماعی طاقت کمزور پڑ جائے اور اس کی حکومت کیلئے کوئی خطرہ باقی نہ رہے جبکہ تیسری طرف سے ان سب سے زیادہ خطرناک طریقہ یہ اختیار کیا کہ اس نے اپنے تنخواہ دار اور دین فروش افراد کے ذریعے جعلی حدیثوں اور اپنے حق میں آیات قرآنی کی تفسیر و تاویل کا سلسلہ شروع کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی عمومی سوچ کو غلط رنگ دے کر اپنی حکومت کو شرعی اور قانونی بنانے کی کوشش کی۔

اس کے علاوہ بھی اس نے کئی اسلام مخالف اقدامات کئے، مثلاً باطل نظریات کے حامل "جبریہ" اور "مرجئہ" جیسے فرقوں کی ترویج کی جو نظریاتی طور پر امیر شام کی سیاست کو تقویت پہنچاتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی امہ کو اس کے خطرناک نتائج کا سامنا کرنا پڑا اور آج کی امت یہ منحوس نتائج بھگت رہی ہے۔

امیر شام کی یہ سیاست اس بات کا باعث بن گئی کہ ظلم اپنے عروج کو پہنچ گیا، قتل و غارت گری کی کوئی حد نہ رہی مسلمانوں کی اپنے حقوق،دولت ،ثروت اور آمدنی سے محرومی ان کی تقدیر کا حصہ بن گئی اور ان اسلام دشمن سرگرمیوں کے باوجود عوام الناس کی طرف سے اجتماعی طور پر اس کا رد عمل دکھائی نہیں دیا۔اور لوگ آنکھیں بند کر کے اس کی اطاعت میں مگن تھے۔ مگر اس کے باوجود بھی تھے کچھ لوگ جنہوں نے اس کی اس قسم کی اطاعت سے انکار کر دیا، لیکن ان کا یہ رد عمل انفرادی تھا اجتماعی نہیں تھا، مثلاً امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے صحابی جناب حُجر بن عدی اور عمرو بن حمق خزاعی اور اس طرح کے دوسرے پاکباز اور پاک دامن افراد کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشرہ امیر شام کے ستم اور دباؤ میں ہاتھ پاؤں مار تا رہا۔ لیکن اس قسم کی مخالفت کا اظہار انفرادی اور غیر منظم تھا جس کے خاطر خواہ نتائج نہیں نکل رہے تھے۔ بلکہ یہ شعلہ بہت جلد بجھ جایا کرتا تھا، کیونکہ حکومت وقت اس طرح کی تحریک کے سربراہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتی تھی اور ہر قسم کی تحریک کو کچل دیا کرتی تھی۔اسی لئے ماحول و معاشرہ پر مکمل سکوت اور سناٹا کار فرما تھا۔

قیام نہ کرنے کی وجوہات

امیر شام کا دوران سلطنت نہایت ہی تباہ کن اور نا قابل برداشت تھا۔لہٰذا اس دور میں بہت سی وجوہات کی بنا پر کسی قسم کی مسلح جدوجہد اور انقلاب و قیام نہ تو ممکن تھا اور نہ ہی مفید و نتیجہ خیز۔ان وجوہات میں سے دو عوامل و اسباب ایسے تھے جو امام علیہ السلام کے عظیم قیام و انقلاب کیلئے زبردست مانع تھے۔

پہلا سبب: یہ تھا کہ اگر حضرت امام حسین علیہ السلام امیر شام کے دور حکومت میں قیام کرتے چونکہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے امیر شام کے ساتھ صلح کر رکھی تھی اور اس کی تائید حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی کی تھی تو وہ اس بارے میں امام عالی مقام پر اس بات کا الزام عائد کرتا کہ دیکھو جی جس صلح نامہ کو حسینؑ نے منظور کیا تھا آج اس کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔
کیونکہ سب لوگ جانتے تھے کہ جناب حسن اور حسین علیہما السلام نے امیر شام کے ساتھ اس بات پر صلح کر رکھی ہے کہ جب تک امیر شام زندہ ہیں اس وقت تک کسی قسم کا کوئی اقدام نہیں کریں گے۔لہٰذا امام علیہ السلام کے قیام کی صورت میں امیر شام انہیں عہد شکن قرار دیتا۔حالانکہ امام حسین علیہ السلام اس معاہدہ کو اپنے لئے قابل قبول نہیں سمجھتے تھے۔اس لئے کہ صلح کے فوراً ہی بعد امیر شام نے اسے توڑ دیا اور اس کا کوئی احترام نہیں۔اور صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اس کے پابند نہیں ہیں۔
بنابریں اگر یہ عہد نامہ بذات خود صحیح اور معتبر تھا لیکن امام حسین علیہ السلام اس کے پابند نہیں تھے۔اس لئے کہ امیر شام خود ہی نے اسے پامال کر دیا تھا اور اس کے توڑنے میں اس نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ۔لیکن پھر بھی امام حسینؑ کے قیام کی صورت میں اس کیلئے جواز پیدا ہو جاتا اور وہ اسے اپنے مذموم مقاصد کیلئے ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا۔
ادھر ایک بات یہ بھی تھی کہ اگر امامؑ قیام فرماتے تو معاشرہ اس بات میں کیا رائے قائم کرتا؟ واضح سی بات ہے کہ اس وقت کا معاشرہ امامؑ کے قیام و انقلاب کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں تھا۔جیسا کہ اس بارے میں پہلے بتایا جا چکا ہے کہ شمشیرِ جہاد کو دھو کر نیاموں میں ڈالا جا چکا تھا۔اور معاشرہ آرام طلب ہو چکا تھا اور اپنے لئے یہ توجیہ کر سکتا تھا کہ امام حسین علیہ السلام امیر شام کے ساتھ صلح کر چکے ہیں لہٰذا انہیں اس پر عمل کرنا چاہیے لہٰذا اگر امام حسینؑ اس زمانے میں مسلح جہاد کرتے تو امیر شام اسے ایک شورش اور بغاوت کے عنوان سے متعارف کراتے اور عہد شکن تعبیر کرتے اور معاشرتی کیفیت تو بتائی جا چکی ہے۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب لوگ امیر شام ہی کی تائید کرتے ہیں۔

امیر شام کا اسلامی قیافہ

یزید کے دور میں حضرت امام حسینؑ کا قیام اور انقلاب اس قدر باوقار اور باعظمت انقلاب تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اب تک زندہ ہے اور انشاءاللہ زندہ رہے گا،صدیاں گزرنے کے بعد بھی ہم دیکھ رہے ہیں لوگ کربلا کے مجاہد شہداء کو اپنے لئے نمونہ عمل اور قابل تقلید سمجھتے ہیں ۔اور انہیں کی قربانی،فداکاری اور جان بازی کو اپنے لئے سرمشق سمجھتے ہیں۔
لیکن قوی احتمال یہی ہے کہ اگر امام علیہ السلام یزید کے باپ کے دور حکومت میں قیام فرماتے تو یقیناً اس سے یہ نتائج برآمد نہ ہوتے۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ امیر شام عملی طور پر اسلام کی تحریف اور صاف ستھری اور پاکیزہ اسلامی حکومت کی جگہ پر اموی اشرافیہ کی حکومت قائم کر چکا تھا۔اسلامی معاشرہ کو غیر اسلامی معاشرہ میں تبدیل کر چکا تھا۔لیکن وہ خود بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھتا تھا کہ چونکہ وہ دین اور اسلامی خلافت کے نام پر حکومت کر رہا ہے لہٰذا اسے ایسے کام نہیں کرنے چاہئیں کہ جسے جنہیں "دین کے خلاف جنگ" کا نام دے۔وہی دین کہ جس کے

نام پر حکومت کر رہا ہے۔ بلکہ وہ اپنے لئے لازم سمجھتا تھا کہ ہمیشہ اپنے تمام کارناموں کو دین کا رنگ دے تاکہ اس کے کارنامے اس کے مقام و مرتبہ کیلئے سازگار ہوں اور جو کام اس کے بس سے باہر تھے انہیں شریعت اور دین کا نام دیا جائے انہیں وہ مخفی طور پر انجام دیتا تھا۔

بہت سے تاریخی اسناد و شواہد اس بات کو گواہ ہیں کہ وہ ایک ایسا شخص تھا جو دین کو در خور اعتنا نہیں سمجھتا تھا۔ اور دین کے کسی بھی اصول پر کاربند نہیں تھا اس کیلئے اس کے مشیر خاص اور قریبی ترین شخص یعنی "مغیرہ بن شعبہ" کے وہ الفاظ جو امیر شام نے اپنی نجی محفلوں میں بیان کئے تھے کہ اور جو اس نے خود اس سے سنے تھے اور اس پر افسوس کیا کرتا تھا۔ ہمارے اس دعویٰ کا بیّن ثبوت ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کی دینی امور میں ظاہری روش کے اس کی حقیقت کو درک کرنے کیلئے عوام الناس کے واسطے مشکل بنا دیا تھا۔

اس نے اپنے مقام و منصب کو مذہبی رنگ دینے کیلئے لوگوں کے حالات و واقعات سے بخوبی فائدہ اُٹھایا جہاں پر ایک طرف سے اس نے خلیفہ سوم کے خون کا بدلہ لینے کا نعرہ لگایا وہاں پر اس کے ساتھ ہی وہ تحکیم کے واقعہ اور حضرت امام حسن علیہ السلام سے صلح کی وجہ سے لوگوں سے بیعت حاصل کرنے کیلئے خود کو خلافت کے شایان شان سمجھتا تھا۔

اسی لئے حضرت امام حسینؑ اس کے دور حکومت میں مسلح جدوجہد کرتے تو بڑی آسانی کے ساتھ وہ عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈال سکتا تھا کہ یہ ایک سیاسی اختلاف اور حصول اقتدار کی کوشش ہے۔ باطل کے خلاف حق کی جنگ تھوڑی ہے۔

حکومت وقت امام علیہ السلام کی جدوجہد

لیکن اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ امام حسین علیہ السلام حکومت وقت کے مظالم اور اس کی بدعتوں کو خاموشی کے ساتھ دیکھتے رہے اور ان کے خلاف آواز بلند نہیں کی۔ نہیں، بلکہ گھٹن اور سخت پابندیوں کے اس ماحول میں جبکہ کسی کو لب کشائی کی جرأت نہیں تھی امام عالیمقامؑ نے اپنی مکمل توانائیوں کے ساتھ حکومت وقت کے مظالم کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اس بارے میں تین اہم اور قابل ذکر واقعات ہیں جن کا بیان کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔

احتجاج پر مبنی خطبات اور خطوط

حضرت امام حسین علیہ السلام دس سال تک اس حکومت کے فرمانروا کا سیاسی میدان میں مقابلہ کیا اور آپ کے اور حاکم وقت کے درمیان متعدد خطوط کا تبادلہ ہوا، جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حاکم وقت کا کس جرأت اور انقلابی انداز میں مقابلہ کیا؟

فرزند علی و بتول حسینؑ حاکم وقت کے ہر جرم اور اس کے اسلام دشمن اقدامات پر اسے روکتے اور ٹوکتے تھے اور سخت برہمی کا اظہار فرماتے۔ چنانچہ ان میں سے اہم ترین موقع، یزید کی ولیعہدی کا ہے۔

یزید کی ولی عہدی کی مخالفت

کتاب الامامۃ والسیاسۃ جلد ا ص ۱۸۴ میں ہے: حاکم شام نے یزید کی ولی عہدی کو پختہ کرنے کیلئے سر توڑ کوششیں شروع کر دیں۔ اور اس سلسلہ میں اس نے ایک مرتبہ مدینہ کا سفر کیا، تاکہ اہل مدینہ بالخصوص یہاں کے عظیم اور بزرگ لوگوں سے یزید کیلئے بیعت لے مدینہ پہنچ کر اس نے حضرت امام حسینؑ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ملاقات کی، اور دوران گفتگو یزید کی ولی عہدی کا تذکرہ بھی چھیڑا اور کوشش کی کہ اس بارے میں ان کی تائید حاصل کرے۔ مگر حضرت امام حسینؑ نے ایک مختصر سے مقدمہ کے بعد یوں ارشاد فرمایا: "..... تم جو اپنے لئے فضیلت

اور برتری کا احساس رکھتے ہو سخت غلط فہمی کا شکار ہو اور لغزش کا شکار ہو کر حد سے بڑھ گئے ہو۔ عوام الناس کے مال پر قبضہ کر کے ظلم وجور کے مرتکب ہوئے ہو۔ اور یہ مال واپس کرنے سے لیت لعل سے کام لے رہے ہو.... تم نے یزید کے کمالات اور اسلامی امہ پر حکومت کرنے کی صلاحیت اور استعداد کی بات کی ہے۔ میں تمہاری ان باتوں کو سمجھ گیا ہوں۔ تم نے یزید کی اس طرح تعریف وتوصیف کی ہے تو گویا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اس کی زندگی لوگوں سے مخفی ہے۔ یا گویا کسی غائب شخص کے بارے میں لوگوں کو بتا رہا ہے جیسے انہوں نے اب تک نہیں دیکھا ہے۔ یا پھر اس بارے میں صرف تم ہی اسے جانتے ہو، انہیں ایسا نہ کرو۔ بلکہ جیسا یزید ہے اور اپنا چہرہ لوگوں کو دکھایا ہے اس کا تعارف کراؤ......"

امیر! یزید کتوں اور بندروں سے کھیلنے والا ایک ہوس پرست لاابالی نوجوان ہے۔ جس نے اپنی ساری زندگی ساز وآواز اور لہو لعب کیلئے وقف کی ہوئی ہے۔ تم بھی اس کا اسی طرح تعارف کراؤ۔ اور بے فائدہ اور بے مقصد باتوں کو چھوڑو!!

اس امت کے بارے میں جن گناہوں کو تم نے اپنے دوش پر اٹھار کھا ہے وہی تمہارے لئے کافی ہیں اب کوئی ایسا کام نہ کرو کہ اپنے رب کی ملاقات کے وقت تمہارے گناہوں کا بوجھ اس سے زیادہ ہو۔ تمہارے ظلم وستم سے لوگوں کا کاسہ صبر لبریز ہو چکا ہے اور اب تمہارے اور موت کے درمیان پلک جھپکنے کی دیر سا ے زیادہ وقت بھی باقی نہیں رہ گیا، اچھی طرح دیکھ لو کہ تمہارے اعمال تمہارے پروردگار کے ہاں محفوظ ہیں اور کل بروز قیامت تمہیں ان کا جواب دینا ہو گا۔"

حاکم وقت کی امام حسین علیہ السلام کے انقلاب سے پریشانی

اسی دوران میں امیر شام کی طرف سے مدینہ کے گورنر "مروان بن حکم" نے اسے لکھا کہ عمرو بن عثمان کی رپورٹ ہے کہ: "عراق اور حجاز کے نامور لوگوں ایک گروہ حسین بن علی (علیہاالسلام) کے پاس آجا رہا ہے" اور ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتایا کہ "وہ اس بات سے مطمئن نہیں ہے کہ حسین بن علیؑ قیام نہ کرے"

مروان نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا کہ: "میں نے اس بارے خود بھی تحقیق کی ہے، اطلاعات کے مطابق سر دست تو حسین بن علیؑ کا قیام اور مخالفت کا کوئی ارادہ نہیں نے۔ اور انہیں کہا جا سکتا کہ آئندہ بھی ایسا ہو۔ اب آپ ہی اس بارے میں اپنی رائے سے مطلع فرمائیں"

امیر شام کو جب یہ اطلاع ملی تو اس نے مروان کے خط کا جواب بھی تحریر کیا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے نام بھی اس مضمون کا خط لکھا:

"تمہاری طرف سے مجھے کچھ اطلاعات ملی ہیں اگر صحیح ہیں تو تم سے اس بات کی توقع نہیں تھی اور نہ ہی یہ تمہارے شایان شان ہے، خدا کی قسم جو شخص کوئی معاہدہ کرتا ہے اسے اس کی پابندی بھی کرنا ہوتی ہے۔ لیکن اگر یہ اطلاعات غلط ہیں تو تم اس بات ہی کے لائق ہو پھر بھی تمہیں اپنے معاہدہ کا خیال کرنا چاہئے اس کی پابندی کرنی چاہیے، اگر تم میری مخالفت کرو گے تو میری طرف سے بھی تمہیں مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ برائی کرو گے تو برائی ہی دیکھو گے، امت کے درمیان اختلاف سے اجتناب کرو...." (بحوالہ رجال کشی محمد بن حسن طوسیؒ ص۴۸)

امام علیہ السلام کا تاریخی جواب

ابن قتیبہ دینوری نے اپنی کتاب "الامامۃ والسیاسۃ جلد ا ص۱۸۰ میں باختلاف الفاظ تحریر کیا ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے اس خط کا جواب ان الفاظ میں تحریر فرمایا:

امابعد۔بعداز حمد وثناو صلوۃ۔ تمہارا خط ملا جس میں تم نے لکھا ہے کہ تمہیں میرے متعلق کچھ باتیں بتائی گئی ہیں جو تمہارے گمان کے مطابق وہ میرے شایان شان نہیں تھیں۔، میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ صرف خداوند عالم ہی انسان کو نیک کاموں کی ہدایت کرتا ہے اور انسان کو نیک اعمال کی توفیق دیتا ہے۔البتہ یہ جانے رہو کہ جو باتیں تمہیں میرے بارے میں بتائی گئی ہیں وہ سب غلط ہیں اور بے بنیاد ہیں، جنہیں دروغ گو جدائی ڈالنے والوں نے از خود تیار کر کے تم تک پہنچائی ہیں۔ان بے دین گمراہوں نے جھوٹ بولا ہے کہ :"میں تمہارے خلاف جنگ کی کوئی تیاری کر رہا ہوں نہ تو میں نے تمہارے خلاف کسی قسم کی کوئی جنگی تیاری کی ہے اور نہ ہی تیرے خلاف کسی قسم کے قیام کا ارادہ ہے،اور یہ اس لئے کہ میں اس بارے میں خدا کی ذات سے ڈرتا ہوں کہ تمہارے یا تمہارے بے دین اور ظالم دوستوں کے خلاف اقدام کروں جو ظالم اور شیطان کے بھائی ہیں۔

امیر شام !کیا تم "حجر بن عدی"اور ان کے ساتھیوں کے قاتل نہیں ہو؟ایسے لوگوں کے قاتل جو سب کے سب نمازی اور خدا پرست تھے جو بدعتوں کو سخت ناپسند کرتے اور ان کے خلاف جہاد کیا کرتے تھے جن کا کام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھا۔

اس پر ظلم یہ کہ تم نے پہلے انہیں امان دی اور سخت قسمیں کھائیں کہ انہیں گذشتہ حالات کی وجہ سے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ مگر افسوس کہ اس کے باوجود تم نے انہیں بڑے ظلم کے ساتھ شہید کر دیا اس طرح کا اقدام کر کے تم نے خدا کے ساتھ گستاخی کی اور اپنے عہد و پیمان کو سبک اور خفیف سمجھا۔

کیا تم "عمرو بن حمق خزاعی" کے قاتل نہیں ہو جو ایک پارسا مسلمان تھے عبادت کی وجہ سے جن کا چہرہ اور بدن خشک ہو چکا تھا۔ حالانکہ پہلے انہیں بھی تم نے امان دی اور عہد کیا کہ انہیں کچھ نہیں کہو گے۔ایسا عہد کہ اگر تم جنگل بیابان کے کسی ہرن کے ساتھ بھی کرتے تو وہ پہاڑ کی چوٹیوں سے اتر کر تمہارے پاس آجاتا۔آیا یہ تم نہیں تھے کہ جس نے "سمیہ" کے بیٹے زیاد "کو اپنا بھائی بنالیا ہے اور اسے ابوسفیان کا بیٹا قرار دیدیا ہے حالانکہ میرے نانا جناب رسول خداؐ کا فرمان ہے کہ : "اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ "نومولود کو اس کے اصل والد کا بیٹا سمجھا جائے گا اور زناکار کو سنگسار کیا جائے گا۔"

اے کاش کہ بات یہیں پر ختم ہو جاتی۔اور آگے نہ بڑھتی مگر کیا کیا جائے تم نے اسی زیاد بن سمیہ کو اپنا بھائی قرار دیدینے کے بعد اسے مسلم امہ کی گردنوں پر مسلط بھی کر دیا اور اس نے تمہارے اقتدار کا سہارا لے کر مسلمانوں کا ناحق خون بہایا۔ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر درخت خرما پر سولی پر لٹکایا۔

امیر شام! تم نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے کہ گویا تو اس امت سے نہیں یا یہ امت تجھ سے نہیں؟"آیا تم "حضرمی" کے قاتل نہیں ہو؟کہ جس کا جرم صرف یہ تھا کہ زیاد ابن ابیہ نے تمہیں اطلاع کہ "حضرمی دین اسلام میں علیؑ کا پیروکار ہے "علی کا دین کوئی نیا دین نہیں وہی ان کے چچازاد بھائی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین ہے"اور اسی دین ہی کی بدولت تم اس وقت حکومت پر براجمان ہو۔اگر یہ دین نہ ہوتا تو تم اور تمہارے آباؤاجداد ابھی تک جاہلیت کی تاریکیوں میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہوتے !اور تمہاری سب سے بڑی فضیلت اور بہت بڑا شرف سردی اور گرمی کے موسموں میں یمن اور شام کے سفر ہوتے۔ لیکن خداوند عالم نے تمہارے خاندان کی رہبری اور راہنمائی کی روشنی میں تمہیں اس گھٹیا زندگی سے نجات دلائی۔"

امیر شام! تم نے یہ بھی کہا ہے کہ "میں(حسینؑ)اس امت میں اختلاف اور فتنہ انگیزی کر رہا ہوں، لیکن یہ بات یاد رکھو مجھے اس امت میں تمہاری حکومت سے بڑھ کر کوئی عظیم اور اہم ترین فتنہ نظر نہیں آرہا"

تم نے یہ بھی مجھے کہا کہ "میں اپنے دین اور کردار امت محمد یہ کا خیال رکھوں"لیکن جب میں اپنے اوپر عائد شدہ فریضہ کو دیکھتا ہوں اپنے دین اور امت محمد یہ (ص) کے بارے میں غور کرتا ہوں تو اپنے لئے اس فریضہ سے بر تر اور بہتر اور کوئی فریضہ نظر نہیں آتا کہ تمہارے ساتھ جنگ کروں اور میری یہ جنگ، جہاد راہ خدا ہی ہو گی۔ لیکن اگر بعض مشکلات اور موانع کی وجہ سے اس سے اجتناب کر رہا ہوں تو میں خداوند عزوجل کی بارگاہ میں اس کی معافی چاہتا ہوں اور اس سے میری یہی دعا ہے کہ مجھے اس راستے کی رہنمائی کرے جس میں اس کی رضا اور خوشنودی ہے۔

امیر شام! تم نے یہ بھی کہا کہ "اگر میں (حسینؑ) تمہارے ساتھ برائی کروں گا تو تو بھی برائی کرے گا، اگر میں دشمنی کروں تو تو بھی دشمنی کرے گا"تو یاد رکھو! میں یہ کہنے میں باک نہیں سمجھتا کہ اس دنیا جہاں میں نیک اور صالح لوگ ہمیشہ بدکاروں کی دشمنی کا نشانہ بنتے چلے آرہے ہیں اور امید ہے کہ تمہاری دشمنی مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گی اور تمہاری ہر قسم کی بداندیشی خود تمہارے ہی گلے پڑے گی اور تمہارے اعمال کو اکارت کردے گی۔ لہٰذا تم جس قدر چاہو مجھ سے دشمنی کرتے رہو!!!

امیر! خدا سے ڈرو اور ہمیشہ یہ بات تمہارے پیش نظر رہے کہ ہر چھوٹا بڑا گناہ اللہ کے دفتر میں لکھا جا چکا ہے اور اس بات کو بھی جانے رہو کہ خداوند عالم تمہارے ان تمام جرائم کو کبھی فراموش نہیں کرے گا کہ تو محض اور ظن کی بنا پر لوگوں کا قتل عام کر رہا ہے اور محض الزام کے پیش نظر انہیں قید میں ڈالے جارہا ہے اور ایک شرابی اور کتوں اور بندروں کے ساتھ کھیلنے والے نوجوان کو سریر حکومت پر بٹھایا ہوا ہے۔اس طرح کے کاموں سے تم نے خود کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے۔اپنے دین کو تباہ کر دیا ہے اور ملت اسلامیہ کے حقوق کو پامال کر دیا ہے۔والسلام

حج کے عظیم اجتماع سے لاجواب خطاب

حاکم شام کی موت سے ایک (یا شاید دو سال) پہلے جبکہ حکومت وقت کی طرف سے شیعیان علیؑ پر مکمل طور پر ہر طرف سے گھیرا تنگ کیا جا چکا تھا اور پوری طرح گھٹن کا عالم تھا، اس وقت امام حسین علیہ السلام حج پر تشریف لے گیے اس وقت جناب عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن جعفر بھی آپ کے ساتھ تھے اور صحابہ و تابعین اور اس وقت کے اسلامی دنیا کے کچھ بزرگ افراد جو پاکیزگی اور نیکی کی وجہ سے مشہور تھے اس طرح تمام بنی ہاشم بھی منیٰ میں آپ کے خیمے میں جمع ہوئے جن میں سے سات سو تابعی اور دو سو صحابی تھے اس وقت آپ نے کھڑے ہو کر اس طرح خطبہ ارشاد فرمایا۔

آپ لوگوں نے دیکھ لیا ہے کہ اس ظالم و جابر شخص نے ہمارے ساتھ اور ہمارے شیعوں کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا ہوا ہے اس موقع پر میں آپ لوگوں سے کچھ باتیں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اگر میری یہ باتیں ٹھیک ہوں تو میری تصدیق کرنا اور غلط ہوں تو نہ ماننا۔ آپ میری باتوں کو سنیں اور لکھ لیں۔

جب آپ اپنے شہروں اور قبیلوں کی طرف واپس جائیں تو قابل اعتماد اور قابل اطمنان لوگوں سے جا کر بیان کریں۔ اور انہیں ہماری امامت اور پیشوائی کی دعوت دیں۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اہل بیت رسول ﷺ کی امامت اور ان کی امت کی رہبری کا موضوع فراموش ہو جائے۔ اور حق مغلوب ہو کر ختم ہو جائے۔ اس کے بعد امامؑ نے اپنے والد گرامی امیر المومنین علیؑ اور خاندان امامت کے فضائل اور اسلام کیلئے نمایاں خدمات کا ذکر کیا اور ساتھ ہی حاکم شام کی رائج کردہ بدعتوں اور جرائم نیز اس کے اسلام دشمن اقدامات کا بڑی تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا اس کے لیے احتجاج طبرسی ص ۱۶۱ مطبوعہ مطبع مرتضویہ نجف اشرف الغدیر علامہ امینی جلد ا ص ۱۹۸ اور کتاب سلیم بن قیس ص ۲۰۶ کا مطالعہ مفید ہو گا۔

غرض اس طرح سے حضرت امام حسین علیہ السلام نے حکومت وقت کے خلاف ایک عظیم تبلیغی تحریک پیدا کر دیا اور ایک عظیم انقلاب کی راہیں ہموار کر دیں۔

چوتھی صدی ہجری کے ایک بزرگ عالم دین حسن بن شعبہ حرانی نے اپنی کتاب تحف العقول میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا ایک طولانی خطبہ درج کیا ہے لیکن اس میں یہ نہیں بتایا کہ یہ خطبہ کہاں اور کب ارشاد ہوا۔ البتہ شواہد و قراین سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی خطبہ ہے جو آپ نے منٰی میں ارشاد فرمایا تھا۔ اس بحث کی مناسبت سے ہم اس کے کچھ حصوں کا ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں

دوران خطبہ امام عالیمقام نے فرمایا۔

اے گرامی قدر افراد! آپ ہی وہ لوگ ہیں جو علم و دانش، نیکی اور خیر خواہی میں شہرت رکھتے ہیں، خدا کے دین کی بدولت لوگوں کے دلوں میں تمہاری عظمت اور ہیبت ہے، شریف آدمی آپ حضرات سے آپ کی نیکی کا فائدہ اٹھاتا ہے اور کمزور انسان آپ کی قدر کرتا ہے۔ اور جو لوگ آپ کے ہم پلہ ہیں اور ان پر آپ کا کسی قسم کا حق نعمت نہیں بنتا وہ بھی آپ کو اپنے سے بہتر سمجھتے ہیں۔ تم لوگ اپنے ماضی کے اچھے کارناموں اور اپنے ایمان کی وجہ سے خدا پر اپنا حق جتاتے ہو مجھے آپ کے لیے اس بات کا خطرہ ہے کہ خدا کی طرف سے تم پر عذاب نازل نہ ہو جائے۔ کیونکہ تمہیں جو عظیم منزلت حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہے اور تمہیں ایک قسم کی فوقیت حاصل ہے مگر تم نیک اور پاک لوگوں کا احترام نہیں کرتے، حالانکہ لوگ خداوند عالم کی وجہ سے تمہارا احترام کرتے ہیں۔

آپ حضرات اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ خدائی عہد و پیمان کو توڑا جا رہا ہے اس کے قوانین کی مخالفت کی جا رہی ہے، مگر تم ہو کہ تمہیں ذرا برابر بھی اس کا خوف نہیں ہے تم اپنے باپ دادا کے عہد و پیمان کو توڑنے سے توڈرتے ہو لیکن رسول خدا کے عہد و پیمان کو دیکھ رہے ہو کہ توڑے جا رہے ہیں اور ان کی بے حرمتی کی جا رہی ہے مگر تم اسے کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے ہو۔

ایک اسلامی مملکت میں اندھے، لولے، اور لنگڑے افراد جو بے سرپرست ہیں نہ ان کا کوئی رکھوالا ہے نہ دیکھ بھال کرنے والا ہے ان پر کوئی رحم کرنے والا نہیں ہے۔ اور تم بھی تو اپنی اس معاشرتی قدر و منزلت کو کام میں نہیں لا رہے ہو اور جو لوگ اس بارے میں اپنے اہم دینی اور سماجی فریضہ کو انجام دے رہے ہیں تم اس کے ساتھ بھی تعاون نہیں کرتے۔ بلکہ ظالم و جابر لوگوں کے ساتھ مل ملا کر ان کے ساتھ ہم کاری کر کے خود کو آسودہ حال بنائے ہوئے ہو۔ خداوند عالم نے منکرات سے رکنے اور لوگوں کو ان سے روکنے کا حکم دیا ہے لیکن تم اس بات سے بالکل ہی غافل ہو، تم علمائے امت کی قدر و منزلت دوسرے تمام لوگوں سے بڑھ کر ہے اس لیے علمائے دین کی قدر و منزلت کو اب نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

لیکن کاش کہ تم اس بات کو سمجھتے!!

امور مملکت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہونے چاہیں جو خداوند عالم کے احکام کا علم رکھتے ہوں اور اس کے حلال و حرام کے امین ہوں اور تم لوگ اس مقام و منزلت کے حامل تھے مگر تمہارے ہاتھوں سے سب کچھ چھین لیا گیا ہے۔ اور جب تم سے یہ سب کچھ چھن گیا تو تم نے حق سے دوری اختیار کر لی اور روشن دلیل کے باوجود تم نے سنت رسول اللہ میں اختلاف پیدا کر لیا۔

اگر تم راہ خدا میں مشکلات کو برداشت کرتے ایذا رسانیوں اور دباؤ کے موقع پر صبر سے کام لیتے تو یقیناً زمامِ امورِ مسلمین تمہارے ہی ہاتھوں میں ہوتی اور مسلم امہ کے دوسرے تمام امور بھی تمام پاس ہوتے اور تمہاری نگرانی میں انجام پاتے۔ لیکن تم نے تو ظالموں اور ستمگاروں کو اپنے اوپر مسلط کر دیا اور خدائی امور کی باگ ڈور (یعنی حکومت) ان کے ہاتھوں میں دیدی تاکہ وہ حلال اور حرام کو آپس میں ملا دیں اور خود اپنی خواہشات نفسانی کے سمندر میں غوطہ زن رہیں

انہیں اس مقام پر صرف تمہارے موت سے فرار اور چند روزہ زندگی سے دل بستگی نے ہی مسلط کیا ہے۔ تم نے اپنے فریضہ کے ادا کرنے سے کوتاہی کی ہے جس کی وجہ سے ضعیف و ناتوان ان کے زیر دست ہو گئے ہیں اور ان کے قہر و غضب کا شکار ہیں۔ اور کچھ لوگ زندگی میں دربدر کی

ٹھو کریں کھا رہے ہیں کچھ لوگ وہ ہیں جو اپنے شریر حکمرانوں کی پیروی کر رہے ہیں حالانکہ یہ خداوند جبار کی بارگاہ اقدس میں گستاخی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کر رہے ہیں اور رسوائی اور ہوا وہوس سے دل لگائے ہوئے ہیں۔

اسلامی مملکت کے ہر ایک شہر میں اپنے مقاصد کی تبلیغ کیلیئے اپنے تنخواہ دار جاہلوں کو منبر پر بھیجتے ہیں جو ان کے مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں اور ساری اسلامی مملکت انہیں کے قبضہ میں ہے۔

ہر جگہ ان کے ہاتھ کھلے ہیں عوام الناس کو اپنا غلام سمجھتے ہیں اور وہ ان کے سیاہ و سفید کے مالک بنے ہوئے ہیں ان بے کس وبے بس لوگوں پر جو بھی ستم کریں وہ اپناد فاع نہیں کر سکتے اس ظالم اور ستمگر قوم میں سے ایک ٹولہ ایسا بھی ہے جو ہر ناتواں اور کمزور پر مظالم ڈھارہا ہے جبکہ اس کا دوسرا ٹولہ حکمرانی اور فرمانروائی کر رہا ہے اور زندہ کرنے والے اور موت دینے والے خدا پر ان کا ایمان ہی نہیں ہے۔ اس صورت حال پر تعجب ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو؟ جبکہ خدا کی زمین ستمگر، دھوکے باز، اور نابکار بھتہ خوروں کے تصرف میں ہے کہ جو مومنوں پر ذرا برابر رحم نہیں کرتے نہ ہی کسی غریب کے لیے ان کا دل کڑھتا ہے اللہ تعالیٰ ہی ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کریگا"

آخر میں آپ نے فرمایا۔

"خداوندا ہماری یہ تحریک نہ تو حکومت کی اور قدرت کی رقابت کیلیئے ہے۔ اور نہ ہی مال ودولت کے حصول کیلیئے بلکہ اس لیے تا کہ ہم تیرے دین کی نشانیاں لوگوں کو دکھائیں اور ایک اسلامی مملکت میں اصلاح کا اجراء کریں تا کہ تیرے مظلوم اور ستم رسیدہ بندے سکھ کا سانس لے سکیں اور تیرے واجبات، احکام اور سنتوں کا اجراء ہو سکے"

اب اگر تم (بزرگوار) میری مدد نہیں کروگے تو ظالم اور ستمگار لوگ تم پر بھی مسلط ہو جائیں گے اور تمہارے نبی کے نور کو بجھانے کی کوشش میں کامیاب ہو جائیں گے۔۔۔

انقلابِ عاشورا کی حقیقت اور اس کے اسباب

یہاں پر حضرت امام حسینؑ کی انقلابی تحریک کے بارے میں کئی سوالات پیش کئے جاتے ہیں جن کا جواب دینا نہایت ہی ضروری ہے تا کہ اس الٰہی تحریک کے اغراض و مقاصد اچھی طرح واضح ہو سکیں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ "اگر یزید حضرت امام حسین علیہ السلام سے بیعت لینے کیلیئے شدت سے کام نہ لیتا تو پھر بھی آپ یزید کی حکومت کی مخالفت کرتے؟"

دوسرا سوال یہ ہے "اگر اہل کوفہ امام علیہ السلام کو عراق آنے کی دعوت نہ دیتے پھر بھی آپ حکومت کے خلاف قیام کرتے؟"

تیسرا سوال یہ ہے کہ " آیا یہ قیام وانقلاب بغیر سوچے سمجھے کسی منصوبہ بندی اور آگاہی کے بغیر اتفاقیہ طور پر عمل میں آگیا؟" باالفاظ دیگر "ایک اتفاقی حادثہ تھا جس طرح مادی دنیا کے لوگ تجزیہ و تحلیل کرتے ہیں یا نہ بلکہ ایک باقاعدہ جچا تلا اور پوری سوجھ بوجھ کا حامل تھا؟"

تو جواباً عرض ہے کہ ان سوالات کا جواب دینے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مقدمہ کے طور پر اس بات کی یادآوری کریں کہ عوامل کی دو قسمیں ہیں بعض وہ ہیں کہ جو صرف ایک سبب کی حامل ہیں اور بعض وہ ہیں کہ جن کی ایک سے زیادہ ماہیتیں ہیں۔ مثلاً ایک دھات کہ جو ایک وقت میں صرف ایک ماہیت کی حامل ہوتی ہے جیسے سونے کی ماہیت یہی ہے کہ وہ صرف سونا ہے لہٰذا ایسا نہیں ہو گا کہ ایک دھات ایک وقت میں سونا بھی ہو اور چاندی بھی ہو۔ لیکن جو ایک سے زیادہ ماہیت کی حامل ہوتی ہیں وہ ایک ہی وقت میں کئی ماہیتوں کی حامل ہوتی ہیں اور ایسی چیزیں اجتماعی اور معاشرتی ہوتی ہیں جن میں مختلف عوامل ہوتے ہیں جو ان کے وجود میں آنے کا سبب بنتے ہیں مثلاً ہو سکتا ہے کہ ایک تحریک صرف کسی قسم کے رد

عمل کا نتیجہ ہو اور کسی بات کے رد عمل کے طور پر وجود میں آئی ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ جارحیت کے عنصر کی حامل بھی ہو۔اور رد عمل کی صورت میں ممکن ہے کہ ایک واقعہ کا رد عمل مثبت ہو جبکہ کسی دوسرے واقعہ کا رد عمل منفی ہو۔اور حضرت سید الشھداء امام حسین علیہ السلام کا قیام وانقلاب بھی اس قسم کے عوامل کا نتیجہ تھی اور یہ تمام عوامل آپ کی تحریک کے عناصر ترکیبی تھے اور ہم ان عوامل اور عناصر کو قدرے تفصیل سے بیان کریں گے۔

حسینیؑ تحریک کے عوامل

حضرت اباعبداللہ الحسینؑ کی الٰہی تحریک کے یہ تین اہم عوامل واسباب تھے

۱۔ حضرت امام حسین علیہ السلام سے بیعت کا مطالبہ اور اس پر شدید اصرار

۲۔ اہل کوفہ کا امام علیہ السلام کو عراق تشریف لانے کی دعوت دینا

۳۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی بجاآوری کہ جس کے بارے میں آپ مدینہ سے باہر آنے سے پہلے ہی سے اس کا اعلان کر دیا تھا اور ہر منزل اور مقام پر اس کا اظہار فرماتے رہے۔

اب ہم تفصیل کے ساتھ ان اسباب و عوامل کا جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک عامل کا آپ کے اس انقلاب میں کتنا حصہ ہے؟

پہلا عامل: یزید کی بیعت سے انکار

وقت کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو اس انقلاب کا سب سے پہلا عامل یزید کی طرف سے امام عالی مقام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیعت کا مطالبہ تھا جس کا آپ نے بڑی سختی سے انکار کر دیا، چنانچہ مورخین لکھتے ہیں کہ

امیر شام کے نیمہ رجب ۶۰ ہجری میں مرنے کے بعد اس کے بیٹے یزید نے مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے نام خط لکھا کہ ہماری خلافت کیلئے حسین بن علیؑ سے بیعت لو اور اسے اس بارے میں کسی قسم کی مہلت نہ دو۔

یزید کا خط ملتے ہی اس نے حسین علیہ السلام کو بلا بھیجا اور ان سے تمام ماجرا بیان کیا چونکہ امام عالی مقام امیر شام کے ایام حیات ہی میں یزید کی ولی عہدی کو یکسر مسترد کر چکے تھے لہٰذا آج بھی آپ نے یکسر انکار کر دیا۔ کیونکہ یزید کی بیعت کا مقصد نہ صرف یہ تھا کہ ایک پلید شخص کی خلافت پر مہر تصدیق ثبت کرنا تھا بلکہ خلافت کو سلطنت میں تبدیل کرنے کی شیطانی اور بدترین بدعت کو تسلیم کرنے کے مترادف بھی تھا جسکی بنیاد امیر شام ڈال چکا تھا۔

حاکم مدینہ کی طرف سے بیعت پر شدت سے اصرار جاری تھا مگر امام حسینؑ سختی سے اپنے انکار پر قائم تھے۔ آخر کار ۲۸ رجب ۶۰ ہجری کو امام علیہ السلام اپنے افراد خانہ اور کچھ دیگر بنی ہاشم کے ہمراہ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تھے اور تین شعبان ۶۰ ہجری کو مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ دوسرے تمام شہروں میں صرف مکہ معظمہ کا انتخاب اس لیے فرمایا کیونکہ یہ امن کا شہر تھا۔

اور اس کے ساتھ ہی موسم حج بھی آنے والا تھا اور مکہ میں اس موسم میں حجاج کا بھی ورود ہونے والا تھا۔ لہٰذا یہ شہر مسلمانوں تک امام علیہ السلام کے پیغام کیلئے ایک بہترین جگہ ثابت ہو سکتا تھا۔ امام عالی مقام کی تحریک کی اہمیت یہاں تک تو رد عمل کا نتیجہ تھی اور وہ بھی منفی رد عمل کا جو ایک غلط اور غیر شرعی تقاضے کے مقابلے میں، کیونکہ یزید آپ سے بیعت کا متقاضی تھا اور آپ اس کا قطعاً انکار کر چکے تھے۔

لیکن بہر حال یہ موضوع اچھی طرح واضح اور روشن ہے کہ امام حسین علیہ السلام اہل کوفہ کی دعوت آنے سے پہلے ہی اس ناجائز مطالبے کو قطعاً مسترد کر چکے تھے اگر اہل کوفہ کی دعوت نہ بھی ہوتی پھر بھی امام علیہ السلام یزید کی بیعت کسی صورت میں نہ کرتے۔

دوسرا عامل: اہل کوفہ کی امام کو دعوت

چنانچہ امام علیہ السلام تین شعبان ۶۰ ہجری کا مکہ مکرمہ میں نزول اجلال ہوا اور اسی شہر میں ہی آپ نے قیام فرمایا اور حکومت وقت کی اسلام دشمنی سرگرمیوں سے لوگوں کو آگاہ فرمانا شروع کر دیا۔

امام علیہ السلام کا یزید کی خلافت کی مخالفت اور مکہ میں آپؑ کی آمد کا علم عراق والوں کو بھی ہو گیا۔

اہل کوفہ کو بیس سال پہلے امیر المومنین علیہ السلام کی حکومت کی یادیں ابھی تک نہیں بھولی تھیں اور نہ ہی مولائے کائنات کی تعلیم و تربیت کے آثار ان کی یادوں سے مکمل طور پر محو ہوئے تھے۔ ابھی تک وہ یتیم بھی زندہ تھے جنہیں علی علیہ السلام نے پروان چڑھایا تھا اور وہ بیوائیں بھی موجود تھیں جن کی مولا علی علیہ السلام سرپرستی کیا کرتے تھے۔

چنانچہ لوگ اکٹھے ہوئے اور تمام حالات کا جائزہ لیا اور یہ فیصلہ کیا کہ بیعت یزید کا انکار کرنے والی شخصیت یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنی امامت اور رہبری کیلئے دعوت دیں۔ ان مذاکرات کے فوراً بعد کوفہ کے سرکردہ افراد مثلاً سلیمان بن صرد خزاعی، مسیب بن نجبہ، رفاعہ بن شداد، اور حبیب بن مظاہر اسدی نے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں خطوط لکھنا شروع کر دیے۔ اور آپ کو عراق آنے کی دعوت دی تاکہ آپ ان کے امام اور پیشوا کی حیثیت سے ان کی راہنمائی فرمائیں۔

جناب شیخ مفید نے اپنی کتاب ؛الارشاد، ص ۲۰۳ ابو مخنف لوط بن یحیٰ نے اپنی کتاب،، مقتل الحسین ص ۱۶ میں اس بات کو ذکر کیا ہے۔

سید ابن طاؤس اپنی کتاب،، اللهوف فی قتلی الطفوف ص ۱۵ میں فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا خط آپ کی خدمت میں دس رمضان المبارک ۶۰ ھجری کو پہنچ گیا۔ اور خط و کتابت کا یہ سلسلہ جاری رہا اور کوفہ کے متعدد افراد کی طرف سے انفرادی اور اجتماعی طور پر آپ کو خطوط موصول ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک دن میں چھ سو (۶۰۰) خطوط بھی آپ کو موصول ہوئے۔ اور وقتاً فوقتاً آپ کو تمام موصولہ خطوط کی تعداد بارہ ہزار سے بھی بڑھ گئی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب دیکھا کہ لوگ آپ کے زبردست مشتاق ہیں۔ ان کے ہزاروں کی تعداد میں خطوط، بار بار کے تقاضے اور درخواستیں ان کا خاندان عصمت و طہارت کے ساتھ اس قدر شدید محبت کا اظہار اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان کی درخواستوں کا مثبت جواب دیا جائے۔

اسی لیے آپ نے اپنے چچازاد بھائی جناب مسلم بن عقیل کو اپنا نمائندہ بنا کر کوفے روانہ کیا تاکہ وہ وہاں جا کر عراق کے حالات کا قریب سے جائزہ لیں اور آپ کو تمام حالات سے آگاہ کریں۔ اور دیکھیں کہ اہل کوفہ نے جو کچھ لکھا ہے اس پر عملی طور پر کاربند بھی ہیں، تاکہ آپ ادھر تشریف لے جائیں گے۔

قارئین! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس بارے میں امام عالی مقام کا کوفہ والوں کی دعوت کا ردعمل مثبت تھا اور آپ کے اقدام کی ماہیت صرف مثبت ہی نہیں تھی بلکہ اہل عراق کیساتھ آپ کا ایک قسم کا تعاون بھی تھا۔

اب تک جو کچھ بتایا جا چکا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مکہ میں آپ کا قیام یزید کی بیعت سے انکار کی وجہ سے تھا۔ اور یہی آپ کا فریضہ بنتا تھا۔ لیکن اہل کوفہ کی دعوت نے حالات کا رخ بدل دیا۔ اور امام علیہ السلام کیلئے ایک اور فریضے کی ادائیگی کا موجب بن گئی اور آپ نے یہ فیصلہ کر لیا

کہ اہل کوفہ اس قدر اصرار اور اشتیاق کے ساتھ مجھے دعوت دے رہے ہیں تو مجھے بھی ان کی اس محبت و اشتیاق کا مثبت جواب دینا چاہیے۔ لٰہذا عراق جانا چاہیے۔ اگر ان لوگوں نے میرے ساتھ وعدہ وفائی کی تو کیا ہی بہتر !! اگر ایسا نہ کیا تو پھر مکہ واپس آجاؤں گا یا کسی اور اسلامی ملک چلا جاؤں گا۔

قارئین گرامی ! اگر آپ توجہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وقت اور زمانے کے لحاظ سے امام علیہ السلام کا یزید کی بیعت سے انکار، کوفہ والوں کی دعوت سے پہلے ہی عمل میں آچکا تھا۔ اور ان کا سب سے پہلا خط آپ کو مکہ میں تشریف لانے کے چالیس دن بعد ملا۔ لٰہذا یہ کہنا: : چونکہ امامؑ کو کوفہ والوں کی طرف سے دعوت مل چکی تھی لٰہذا آپ نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی بلکہ اسی بیعت سے انکار کی وجہ سے تو آپ نے مدینہ چھوڑا تھا۔ اور مکہ کا سفر اختیار کیا تھا۔ اہل کوفہ کی دعوت تو آپ کو مکہ معظمہ میں تشریف لانے کے کئی عرصہ بعد ملی۔

باالفاظ دیگر اگر کوفہ نہ بھی ہوتا اور کوفہ والے دعوت نہ بھی دیتے اور اگر روئے زمین کا ایک ایک چپہ آپ کے لیے تنگ کر دیا جاتا پھر بھی آپ یزید کی بیعت ہر گز نہ کرتے۔

تیسرا عامل۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

حضرت سید الشہداء امام عالیمقام حسین بن علی علیہ السلام کا مدینہ سے روانہ ہونے کے پہلے ہی دن سے یہی نعرہ تھا کہ ،، میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے جا رہا ہوں ،، اس بنا پر بات یہ نہیں تھی چونکہ یزید نے امامؑ سے بیعت طلب کی تھی اور آپ نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا تھا لٰہذا آپ نے قیام کیا اور یہ عظیم انقلاب برپا کیا۔ بلکہ اگر آپ سے بیعت کا تقاضا نہ بھی کیا جاتا پھر بھی آپ کا قیام ناگزیر ہو چکا تھا۔

اسی طرح یہ بات بھی نہیں تھی چونکہ اہل کوفہ نے آپ کو دعوت دی تھی لٰہذا آپ نے قیام فرمایا تھا، کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ امام علیہ السلام کے انکار بیعت کے تقریباً ڈیڑھ مہینہ بعد کوفہ والوں کی دعوت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسی لیے حضرت امام حسین علیہ السلام کا اقدام ایک احتجاج اور اسلام دشمن حکومت کے خلاف انقلابی اقدام تھا۔

فرزند علیؑ کا منطقی استدلال یہ تھا چونکہ عالم اسلام کو برائیوں، آلودگیوں اور فساد نے اپنے گھیرے میں لے لیا ہے۔ اور ان تمام فسادات آلودگیوں اور برائیوں کی جڑ حکومت وقت ہے، لٰہذا میرا الٰہی فریضہ اور شرعی ذمہ داری بن جاتی ہے کہ ان تمام برائیوں اور آلودگیوں کے خلاف علم جہاد بلند کروں۔

قارئین ! ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ تینوں عوامل حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کے انقلاب عظیم کی انجام دہی کے اہم سبب بن گئے تھے۔ اور ہر ایک عامل کا ردعمل ایک دوسرے سے مختلف تھا۔

پہلے عامل کے لحاظ سے امام علیہ السلام کی دفاعی پوزیشن تھی۔ کیونکہ وہ آپ سے زبردستی بیعت کے خواہاں تھے اور آپ اس سے انکاری تھے۔

دوسرے عامل کے لحاظ سے آپ کا ردعمل تعاون اور ہمکاری پر مبنی تھا۔ کیونکہ انہوں نے آپ کو تعاون اور ہمکاری کی دعوت دی اور آپ نے بھی ان کی پیشکش کا مثبت جواب دیا۔

جبکہ تیسرے عامل کا تقاضا یہ تھا کہ اگر وہ آپ سے بیعت کا تقاضا نہ بھی کرتے پھر بھی آپ اسلام دشمن حکومت کے اقدام پر ضرب کاری لگاتے اور برائیوں، آلودگیوں اور فساد کو مٹا کر دم لیتے۔

تینوں اسباب و عوامل کی اہمیت

اپنی اس مفصل بحث کے دوران اب ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ مذکورہ تین اسباب سے کس کی اہمیت زیادہ ہے ؟

اس میں شک نہیں ہے کہ کوفہ والوں کی دعوت کو قبول کرنے کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ امام عالی مقام نے ان لوگوں کی دعوت کا مثبت جواب دیا ہے جنھوں نے یزید کی اطاعت سے انکار کر دیا تھا اور اپنی قیادت، امامت اور رہبری کیلیے حضرت کو دعوت دی تھی۔ لیکن یزید کی بیعت سے انکار کی اہمیت اس سے بھی زیادہ ہے کیونکہ آپ نے بارہا اس بات کا اعلان کیا کہ کسی بھی قیمت پر ان کے دباؤ میں آکر بیعت نہیں کریں گے اور یہی چیز امام علیہ السلام کی ہر قسم کے ظلم، دباؤ، دھونس اور دھاندلی کے مقابلے میں پائیداری اور استقامت کی بیّن دلیل ہے۔ لیکن ان سب سے زیادہ اہمیت تیسرے عامل کی ہے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی۔ کیونکہ آپ کا یہ اقدام نہ تو کسی چیز کے رد عمل کے طور پر تھا نہ ہی دفاعی حیثیت کا اور نہ ہی دعوت کی قبولیت کی صورت میں تعاون اور ہمکاری تھا۔ بلکہ ایک مجاہدانہ اقدام تھا جو حکومت وقت کے غیر اسلامی اقدامات پر ایک حملے کی حیثیت رکھتا تھا۔

اگر اہل کوفہ کی دعوت ایک بنیادی عامل ہوتی تو جب آپ کو خبر ملی کہ کوفے کے حالات بدل گئے ہیں اور یہ موضوع اب ختم ہو چکا ہے تو چاہیے تو یہ تھا کہ امام اپنے موقف سے دستبردار ہو جاتے اور عراق جانے کا ارادہ ملتوی کر دیتے، لیکن نہ، بلکہ اس کے برعکس آپ کے موقف میں مزید پختگی آگئی۔ اور آپ کے خطبوں اور خطابات میں مزید جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ اور وہ بھی خاص کر حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کے بعد۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام عالی مقام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اس عامل پر کس حد تک کاربند تھے، اور یزید کی فاسد حکومت کے خلاف کس حد تک مجاہدانہ حیثیت میں کردار ادا کر رہے تھے۔

اب تک کی پیش کی جانے والی تفصیلات پہلے اور دوسرے سوالوں کا جواب تھیں جو اس بحث کے آغاز میں کئے گئے تھے جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اگر یزید حضرت امام حسین علیہ السلام سے بیعت لینے کیلیئے سختی نہ بھی کرتا پھر بھی آپ اس کی اسلام دشمن حکومت کی ضرور مخالفت کرتے۔ اسی طرح اگر کوفہ والے آپ کو دعوت نہ بھی دیتے پھر بھی آپ ضرور قیام فرماتے اور انقلاب برپا کرتے۔

اب تیسرے سوال کے تفصیلی جواب کیلیئے کچھ اسناد اور شواہد کو ذکر کریں گے جس سے اچھی طرح واضح ہو جائے گا کہ حضرت امام حسین بن علی علیہ السلام کی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی توجہ کا مرکزی نقطہ انقلابی تحریک تھی۔

ا۔ امام علیہ السلام کا وصیت نامہ

بحار الانوار جلد ۴۴ ص ۳۲۹ میں علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں، حضرت امام حسین علیہ السلام نے مدینہ سے ہجرت سے پہلے اپنے بھائی جناب محمد بن حنفیہ کے نام ایک وصیت نامہ تحریر فرمایا جس میں امامؑ نے اپنی تحریک اور انقلاب کے مقاصد کو ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ ان کے قیام و انقلاب کی وجہ امت مسلمہ کے امور کی اصلاح، فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بجاآوری اور اپنے نانا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بابا امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی سیرت کا احیاء ہے۔

امام عالیمقام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے توحید، نبوت اور قیامت کے بارے میں اپنے عقیدہ کو بیان کرنے کے بعد فرمایا۔

اَنِّی لَمْ اَخْرُجْ اَشِرًا وَّلَا بَطِرًا وَّلَا مُفْسِدًا وَلَا ظَالِمًا وَّاِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْاِصْلَاحِ فِیْ اُمَّةِ جَدِّی (ص)، اُرِیْدُ اَنْ اٰمُرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَنْهٰی عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَنْ اَسِیْرَ بِسِیْرَةِ جَدِّیْ وَاَبِیْ عَلِیِّ ابنِ اَبِیْ طَالِبٍ عَلَیهِ السَّلام۔ فَمَنْ قَبِلَنِیْ بِقُبُوْلِ الْحَقِّ فَاللّٰهُ اَوْلٰی بِالْحَقِّ، وَمَنْ رَّدَّ عَلَیْنَا هٰذَا، اَصْبِرُ حَتّٰی یَقْضِیَ اللّٰهُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ الْقَوْمِ بِالْحَقِّ وَهُوَ خَیْرُ الْحَاكِمِیْنَ

میں نہ خود خواہی، سرکشی اور نفسانی خواہشات کے تابع ہو کر مدینہ چھوڑ رہا ہوں اور نہ ہی فتنہ و فساد برپا کرنے اور ظلم کا ارتکاب کرنے کیلیے، بلکہ میرا واحد مقصد یہ ہے کہ میرے نانا کی امت میں جو مفاسد جڑ پکڑ چکے ہیں ان کی اصلاح کروں اور امر بالمعروف اور نہی عن

المنکر کا فریضہ کو انجام دوں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی چاہتا ہوں کہ اپنے جد بزر گوار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پدر عالی قدر علی بن ابی طالب علیہ السلام کی سیرت کو اپناؤں، جو شخص حق کا احترام کرتے ہوئے میری اتباع کرنا چاہتا ہے وہ میرے ساتھ چلے۔ البتہ میں نے اپنا راستہ متعین کر لیا ہے، آگے خدا کی مرضی میرے اور اس قوم کے درمیان جو چاہے فیصلہ کرے گا۔ کیونکہ وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

اس وصیت نامے پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے قیام و انقلاب کے چار اسباب ہیں

۱۔ امت کے امور کی اصلاح

۲۔ امر بالمعروف

۳۔ نہی عن المنکر

۴۔ سیرت رسول و علی کی پیروی اور اس کا احیاء۔

نا قابل معافی جرم

طبرسی جلد ۷، کامل ابن اثیر جلد ۳ مقتل خوارزمی جلد ۱۔ انساب الاشراف جلد ۳ اور مقتل الحسین مقرم میں ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ سے عراق جا رہے تھے تو منزل بیضہ، پر حر کے لشکر سے خطاب کرتے ہوئے اپنے قیام اور انقلاب کا مقصد ان الفاظ میں بیان فرمایا۔

”اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَسُولَ اللهِ قَالَ: مَن رَّأىٰ سُلْطَانًا جَآئِرًا مُسْتَحِلاًّ لِّحَرَامِ اللهِ نَاكِثًا عَهْدَهٗ، مُخَالِفًا لِّسُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ (ص) يَعْمَلُ فِيْ عِبَادِ اللهِ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، فَلَمْ يُغَيِّرْ عَلَيْهِ بِفِعْلٍ وَّلَا قَوْلٍ كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ اَنْ يُّدْخِلَهٗ مُدْخَلَهٗ، اَلَا وَاِنَّ هٰؤُلَآءِ قَدْ لَزِمُوْا طَاعَةَ الشَّيْطَانِ وَتَرَكُوا طَاعَةَ الرَّحْمٰنِ وَاَظْهَرُوا الْفَسَادَ وَعَطَّلُوا الْحُدُوْدَ وَاسْتَأْثَرُوا بِالْفَيْءِ وَاَحَلُّوا حَرَامَ اللهِ وَحَرَّمُوْا حَلَالَهٗ وَاَنَا اَحَقُّ مِمَّنْ غَيَّرَ وَقَدْ اَتَتْنِيْ كُتُبُكُمْ وَقَدِمَتْ عَلَيَّ رُسُلُكُمْ بِبَيْعَتِكُمْ ”اَنَّكُمْ لَا تُسْلِمُوْنِيْ وَلَا تَخْذُلُوْنِيْ“

لوگو! حضرت رسول خدا (ص) کا ارشاد ہے کہ جو مسلمان کسی جابر سلطان کو دیکھے جو حرام خدا کو حلال جانے اور عہد خداوندی کو توڑ دے، میری سنت کی مخالفت پر کمربستہ ہو جائے اور خدا کے بندوں کے درمیان گناہ، مصیبت، سرکشی اور دشمنی کو اختیار کرے لیکن وہ مسلمان اپنے قول اور فعل سے اس کی مخالفت نہ کرے تو خدا پر حق بن جاتا ہے کہ ایسے خاموش منش شخص کو بھی اسی ظالم و جابر کیساتھ جہنم میں داخل کرے۔

لوگو گواہ رہو۔! ان (بنی امیہ کے) لوگوں نے خدا کی اطاعت کو ترک کر کے شیطان کی پیروی اپنے لیے لازم قرار دیدی ہے برائیوں کو رائج اور حدود الٰہی کو معطل کر دیا ہے، مال فے (جو اہلبیت رسول کے ساتھ مخصوص ہے اس) کو اپنے ساتھ مختص کر لیا ہے خدا کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیدیا ہے اس کے اوامر نواہی کو بدل ڈالا ہے، میں مسلم امہ کی رہبری اور امامت کیلئے ان مفسدین سے کئی درجہ بہتر ہوں جنہوں نے میرے جد امجد رسول مکرم (ص) کے دین کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیا ہے۔

سنت کو مٹا دیا گیا ہے۔ بدعت کو زندہ کر دیا گیا ہے

کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۶۸ میں ہے، مکہ معظمہ میں قیام کے دوران حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نے بصرہ کے پانچ مشہور سرداروں کے نام خطوط روانہ فرمائے، سب کے نام خطوط کا مضمون ایک تھا۔

؛؛امابعد! خداوند عالم نے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی تمام مخلوق میں سے منتخب فرمایا، انہیں نبوت سے نوازا اور رسالت کا شرف عطا کیا۔ پھر انہیں اپنے حضور بلا لیا۔۔۔۔۔ اور ہم ہی حضور پاک ﷺ کے اہل بیت اولیاء اوصیاء اور وارث ہیں اور آپ کے مقام کے اصل حقدار ہیں، لیکن ان لوگوں نے ہمیں نظر انداز کر کے سب کچھ اپنے لیے مختص کر لیا ہے مگر ہم خاموش رہے تا کہ امت میں پھوٹ نہ پڑے اور ہم بھی چاہتے ہیں کہ امت کو سکون حاصل ہو، جبکہ سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں لہٰذا میں یہ خط دے کر اپنا قاصد تمہارے پاس روانہ کر رہا ہوں اور میں تمہیں کتاب خدا اور سنت رسول کی دعوت دیتا ہوں، کیونکہ سنت کو مٹا دیا گیا ہے۔ اور بدعت کو زندہ کر دیا گیا ہے اگر تم لوگوں نے میری بات مان لی تو میں تمہیں سیدھے راستے کی ہی ہدایت کروں گا۔

۴۔ حق پر عمل نہیں ہو رہا

کتاب تحف العقول ص ۲۴۵، مقتل ابی مخنف ص ۸۶ تاریخ طبری جلد ۶ ص ۲۲۹ سخنان حسین بن علی علیہ السلام ص ۱۸۰ تاریخ دمشق، اللھوف، بحار الانوار میں ہے حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کا ایک اور خطبہ جو ہم ابھی پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں کتاب تحف العقول کے مطابق ہے کہ جب امام الشہداء علیہ السلام عراق جاتے ہوئے منزل ذوحسم پر رکے تو اس جگہ پر اپنے ساتھیوں اور حر کے لشکر والوں سے ان الفاظ میں خطاب فرمایا۔

''اِنَّهُ مِنَ الْاَمْرِ مَاقَدْ تَرَوْنَ، وَاِنَّ الدُّنْيَا قَدْ تَغَيَّرَتْ وَتَنَكَّرَتْ وَاَدْبَرَ مَعْرُوْفُهَا وَاسْتَمَرَّتْ جِدًّا، فَلَمْ يَبْقَ مِنْهَا اِلَّا صُبَابَةٌ كَصُبَابَةِ الْاِنَاءِ وَخَسِيْسِ عَيْشٍ كَالْمَرْعَى الْوَبِيْلِ ___ اَلَا تَرَوْنَ اَنَّ الْحَقَّ لَا يُعْمَلُ بِهِ وَاَنَّ الْبَاطِلَ لَا يُتَنَاهٰى عَنْهُ فَلْيَرْغَبِ الْمُؤْمِنُ فِي لِقَاءِ اللّٰهِ مُحِقًّا فَاِنِّي لَا اَرَى الْمَوْتَ اِلَّا سَعَادَةً وَلَا الْحَيَاةَ مَعَ الظَّالِمِيْنَ اِلَّا بَرَمًا''

حالات نے جو رخ اختیار کیا ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں دنیا بدل چکی ہے دنیا کی نیکی نے اپنا منہ موڑ لیا ہے اب اس کا صرف تلچھٹ باقی رہ گیا ہے جس طرح کسی برتن کی تہ میں چند قطرے پانی رہ جاتا ہے اور اسے زمین پر گرا دیا جاتا ہے۔ اور ناگوار چراگاہ کی مانند پست اور ناچیز زندگی باقی رہ گئی ہے۔

آیا آپ لوگ نہیں دیکھ رہے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل سے منہ نہیں موڑا جا رہا ہے۔ ایسی صورت میں مومن کا حق بن جاتا ہے کہ اپنے پروردگار کی ملاقات کی خواہش کرے، میں موت کو سعادت اور ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے کو ننگ وعار سمجھتا ہوں۔

فرماتے ہیں۔۔ اَلنَّاسُ عَبِيْدُ الدُّنْيَا، وَالدِّيْنُ لَعِقٌ عَلٰى اَلْسِنَتِهِمْ، يَحُوْطُوْنَهُ مَا دَارَتْ بِهِ مَعَائِشُهُمْ، فَاِذَا مُحِّصُوْا بِالْبَلَاءِ قَلَّ الدَّيَّانُوْنَ

،، یہ لوگ دنیا کے بندے ہیں اور دین ان کی زبانوں پر فقط چاٹنے کی حد تک رہ گیا ہے دین کو اس وقت تک اپنائے رہتے ہیں جب تک ان کے دنیوی کام چلتے رہتے ہیں، لیکن جب انہیں آزمائش کی بھٹی میں ڈالا جاتا ہے تو دیندار بہت کم نکلتے ہیں۔

سوچ سمجھ کر راہ انقلاب اختیار کی گئی

آج کل مادی دنیا کے پرستار،، اجتماعی انقلاب،، کی جو توجیہ کرتے ہیں وہ یہ کہ کسی معاشرے میں اگر کوئی انقلابی دھماکہ ہوتا ہے تو اس کی مثال یوں پیش کرتے ہیں کہ ایک دیگ ہو جس میں پانی بھرا ہو اور اس کا ڈھکن اچھی طرح مضبوطی کے ساتھ بند کر دیا جائے اور جب اس میں پانی بخارات کی صورت اختیار کرے گا تو لازمی طور پر اس کا ردعمل ہو گا اور دیگ ایک زوردار دھماکے سے پھٹ جائے گی خواہ کوئی چاہے یا نہ چاہے اس کا طبعی نتیجہ زوردار دھماکہ کے ساتھ اس کا پھٹنا ہے۔

بعینہ انسانی معاشرہ ہے کہ جب اس میں دباؤاور طبقاتی تضادات زور پکڑیں گے تو معاشرہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے گااور حالات قابو سے باہر ہو جائیں گے اور ایک ایسا دھما کہ ہو گا کہ جس سے حالات بے قابو ہو جائیں گے اور معاشرہ انقلاب کی راہ پر چل پڑے گا۔

باالفاظ دیگر اس کی چھوٹے پیمانے کی مثال یوں لیجئے کہ ایک آدمی کہ جس پر زیادتی پہ زیادتی کی جائے اور وہ خاموشی اختیار کئے ہوئے ہو مگر اس کے دل ہی دل میں مخالفت اور دشمنی کا لاوا تو پکتا رہے گا۔ایک دن آخر اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے گااور وہ بڑے زور کے ساتھ اپنے دل کی بھڑاس جی کھول کر نکالے گا۔یہ اور بات ہے کہ بعد میں اسے پشیمانی کا سامنا کرنا پڑے۔

تو کیا حضرت امام حسین علیہ السلام کا انقلاب بھی اسی نوعیت کا تھا؟اگر ہم حضرت امام حسین علیہ السلام کے خطبوں، تقریروں اور خطوط پر غور کرتے ہیں تو روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اس عظیم پیشوا کا انقلاب اس نوعیت کا نہیں تھا۔بلکہ ایک جچا تلا سوچا سمجھا اور نپا تلا انقلاب تھا، جس کی بنیاد فریضہ کے احساس پر اور تمام خطرات کو مد نظر رکھ کر ڈالی گئی تھی حضرت امام حسین علیہ السلام نے نہ صرف خود سوچ سمجھ کر شہادت کا راستہ اختیار کیا بلکہ اپنے رفقاء اور جان نثاروں کے متعلق بھی چاہتے تھے کہ وہ بھی پوری سوجھ بوجھ اور مکمل آگاہی کے ساتھ شہادت کی راہ کو اختیار کریں۔اسی لیے آپ نے شبِ عاشوران سے دست بیعت اٹھالیا تھا۔اور انہیں اس بات کی آزادی دے دی تھی اگر وہ ان کا ساتھ چھوڑ کر جانا چاہتے ہیں تو شوق سے جا سکتے ہیں۔اور واشگاف الفاظ میں کہہ دیا کہ جو بھی ان کے ساتھ ہو گا وہ مارا جاے گا۔ مگر اس کے باوجود سب نے بالاتفاق آپ کا ساتھ چھوڑنے سے صاف انکار کر دیااور عروس شہادت سے ہمکنار ہونے کی تڑپ ان کے دلوں میں پہلے سے زیادہ موجزن ہو گئی۔علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل توجہ ہے جو انقلابات ماحول و معاشرہ کی پیداوار ہوتے ہیں اور دھما کہ کی مانند پھٹ جاتے ہیں ان میں شخصیتوں اور لیڈروں کا کوئی خاص کردار نہیں ہوتا بلکہ صرف اس حد تک ہوتا ہے جس حد تک دائی کا نومولود کی ولادت سے۔ اس لیے اس قسم کے انقلابات،انقلاب کے ہیرووں کے اختیار میں نہیں ہوتے۔اور وہ ہر طرح کی اخلاقی اقدار سے عاری ہوتے ہیں۔ مگر کیا کہنے زہراؑ کے لعل کے انقلاب کے کہ جس کی اخلاقی قدریں روز اول سے لے کر آج تک اور آج سے لیکر قیامت تک دنیا کے لیے ضرب المثل بن چکی ہیں کہ

"اگر انقلاب لانا ہے تو حسین کے نقش قدم پر چلو"

حزب اموی کا اقتدار پر قبضہ

حضرت امام الشہداء حسین بن علی علیہ السلام کے انقلاب میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عنصر کی تاثیر کے بارے میں اب تک ہم جو کچھ بیان کر چکے ہیں اس سے ظاہر ہو گیا ہے کہ آپ کے انقلاب کی اصل وجہ اسلامی حکومت کو اس کے اپنے اصلی محور پر لے آنا تھا۔ کیونکہ اسلام میں بدعتیں رواج پا چکی تھیں سنت رسول کو مٹایا جا چکا تھا اسلامی امہ میں مفاسد اور منکرات جیسے خلاف اسلام اعمال رائج ہو چکے تھے۔

وضاحت کے طور پر ہم اس بات کو یاد دلانا چاہتے ہیں کہ اُس دور میں اسلامی حکومت اور مسلمانوں کی تقدیر جاہل اور اسلام دشمن اموی گروہ نے اپنے ہاتھ میں لی ہوئی تھی۔اور یہ وہ گروہ تھا جو سال ہا سال تو حضور پیغمبر خداﷺ کے ساتھ نبرد آزما رہا اور سن ۸ ہجری میں فتح مکہ کے موقع پر ظاہری طور پر تو اسلام لے آیا، لیکن کفر و نفاق پھر بھی ان کے دلوں سے نہ گیا۔

رحلت پیامبرﷺ کے بعد بظاہر اسلامی قیافے کے ساتھ اپنی زیر زمین سر گرمیوں کو جاری رکھا اور باندریج اسلامی حکومت کے مرکز میں اثر و نفوذ پیدا کر لیا اور اس کے کلیدی عہدوں پر قابض ہو گیا۔آخر کار امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی شہادت کے بعد امیر شام کے ذریعہ تخت حکومت پر خود قابض ہو گیا۔اور اس گروہ کے اقتدار کا سورج جگمگانے لگا۔

اگرچہ اس گروہ کے اصل کرتا دھرتا لوگ اندرونی طور پر اسلام پر ضرب لگانے اور جاہلی نظام کو زندہ کرنے کیلیے پنہانی کوششوں میں لگے ہوئے تھے لیکن ان کے اقدامات اور ان کا کردار اس چیز کو بخوبی نمایاں کر رہا تھا کبھی تو ایسی نجی محفلوں میں جن کے بارے میں وہ سمجھتے تھے کہ یہاں کوئی غیر موجود نہیں ہے اپنے مقاصد سے پردے اٹھادیا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ اس گروہ کے سرخیل نے اسی ایک نجی محفل میں جو اس کے گھر میں منعقد تھی اور تازہ اس گروہ کی حکومت تازہ قائم ہو چکی تھی اور وہ اس وقت بوڑھا اور نابینا ہو چکا تھا، پوچھا کہ یہاں پر تمہارے علاوہ کوئی اور تو نہیں ہے۔۔ کہا گیا کہ "نہ" تو اس نے کہا:

اب حکومت اور اقتدار مکمل طور پر تمہارے ہاتھوں میں آچکا ہے تم اسے گیند کی مانند ایک دوسرے کی جھولی میں ڈالتے رہو اور اسے تم اپنے ہی خاندان سے باہر نہ جانے دو میں قسم کھا کر اپنا عقیدہ بتا رہا ہوں کہ مرنے کے بعد نہ کوئی عذاب ہے نہ ثواب، نہ حساب ہے نہ کتاب نہ بہشت ہے نہ جہنم نہ آخرت ہے نہ قیامت

اس واقعہ کو ابن ابی الحدید نے نہج البلاغہ کی شرح جلد ۹ ص ۵۳ میں خطبہ نمبر ۱۳۹ کے ضمن میں ذکر کیا ہے اور ابن عبد البر نے اپنی کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب کتاب الاصابہ معرفۃ الصحابہ کے حاشیہ پر جلد ۴ ص ۸۷ میں تقی الدین مقریزی نے اپنی کتاب النزاع والتخاصم فیما بین بنی امیہ و بنی ھاشم مطبع مکتبہ الاھرام قاہرہ میں بیان کیا ہے۔

اسی طرح قاموس الرجال جلد ۱۰ ص ۸۰ میں محمد تقی تستری نے لکھا ہے کہ اسی شخص نے تیسرے عہد میں ایک دن قبرستان احد سے گزرتے ہوئے سید الشہداء حضرت حمزہ کی قبر پر لات مار کر کہا کل تک ہم تمہارے ساتھ جس چیز کے بارے جنگ کیا کرتے تھے آج وہ ہمارے بچوں کے ہاتھ میں گیند بنی ہوئی ہے جس سے وہ کھیل رہے ہیں۔

امیر شام کی خلاف اسلام سر گرمیاں

مروج الذھب مسعودی جلد س ص ۴۰۴ میں ہے کہ امیر شام کے ایک گورنر بنام "مغیرۃ بن شعبہ" سے اس کے بیٹے مطرف نے نقل کیا ہے کہ

"ایک رات ہم امیر شام کے ہاں دمشق میں اس کے گھر مہمان تھے میرے والد اکثر و بیشتر ان کے ہاں جایا کرتے تھے واپسی پر وہ اس کی عقلمندی اور سمجھ بوجھ کے بارے میں مجھ سے بہت تعریف کیا کرتے تھے اور اس کی عقلمندی کو سراہتے تھے، لیکن ایک رات کا واقعہ ہے کہ جب وہ وہاں سے لوٹے تو میں نے دیکھا کہ بہت ہی غم وغصے کی حالت میں تھے میں نے سمجھ لیا کہ کوئی حادثہ ایسا پیش آیا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان ہیں" تو جب میں نے ان سے اس بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا۔

"عزیزم! میں اس وقت ایک نہایت ہی ناشائستہ شخص کے پاس سے آرہا ہوں، میں نے پوچھا کیوں! آخر کیا وجہ ہے؟ تو کہا آج میں اس کے ساتھ خلوت نشین تھا میں نے کہا، اب تو آپ کو حسب منشا سب کچھ مل گیا ہے اور حکومت پر بھی آپ قابض ہیں کیا ہو جائے گا کہ اگر آپ اپنی عمر کے اس آخری حصے میں خلق خدا کے ساتھ عدل وانصاف سے کام لیں ان کے ساتھ نیک سلوک کریں۔ اور بنی ہاشم کے ساتھ اس قدر ناروا سلوک نہ کریں، کیونکہ وہ بھی تو آخر آپ کے رشتہ دار ہیں اور اب تو ان کی کیفیت یہ بھی نہیں ہے کہ وہ آپ کی مخالفت کریں یا آپ کی حکومت کیلئے خطرہ ثابت ہوں!!"

تو اس نے جواب دیا "ہائے افسوس!! خلیفہ اول نے حکومت کی، عدل وانصاف سے کام لیا، لیکن اس کے مرنے کے بعد فقط اس کا نام باقی رہ گیا ہے اور بس، اسی طرح دوسرے نے کئی سال تک حکومت کی تکلیفیں اٹھائیں لیکن جب اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو صرف ان کا نام باقی ہے۔ بعد ازآں ہمارے بھائی کی حکومت آئی، نسبی شرافت میں اس کے پائے کا کوئی آدمی نہیں تھا حکومت کی لیکن مرنے کے بعد تو اس کا نام لینے والا

بھی کوئی نہیں رہا۔ لیکن اس کے برعکس ہر روز عالم اسلام میں ایک ہاشمی شخص کا نام بلند آواز کے ساتھ پکارا جاتا ہے اور لوگ کہتے ہیں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، اب تو پہلے تینوں کا نام ختم ہو گیا اور صرف محمد کا نام باقی رہ گیا ہے۔ اس کا نام بھی تو انہی کی طرح دفن ہو جانا چاہیے"

ہمارے قارئین خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں اس گروہ کے عزائم اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں کیا تھے؟

اور وہ کس حد تک اسلام کی نیستی اور نابودی کے لئے کوشاں تھے؟ جب روایانِ حدیث کے ذریعے یہ خبر عباسی خلیفہ ;مامون الرشید: کو ملی تو اس نے اپنی حکومت میں یہ حکم جاری کر دیا کہ :ایسے شخص پر لعنت کریں:

اسلام کے چہرے پر بد نما داغ۔ یزید

قارئین گرامی! دیکھ لیا آپ نے کہ یزید کس طرح کے خانوادے کا تربیت یافتہ تھا اور کس قسم کی تعلیمات اس کے ذہن میں راسخ ہو چکی تھیں؟ جس اسلام کے نام پر وہ لوگوں پر حکومت کرنا چاہتا تھا اس پر اس کا ذرہ برابر بھی ایمان نہ تھا۔

یزید ایک ناپختہ، خواہشات نفسانی کا دلدادہ، خود سر، احتیاط اور دور اندیشی سے ذرہ بھر واقف نہیں تھا۔ عقل و خرد سے عاری، عیاش، کوتاہ فکر اور لا ابالی نوجوان تھا۔

وہ سرے حکومت پر براجمان ہونے سے پہلے اپنی ہوا و ہوس اور خواہشات نفسانی کا اسیر اور ناشائستہ حرکات کا ارتکاب کیا کرتا تھا۔ اور حکومت کو حصول کے بعد بھی اپنے باپ کی مانند کم از کم ظاہری اور دکھاوے کے طور پر ہی سہی اسلام کی تعلیمات کا احترام کرتا۔ بلکہ شہوت پرستی اور بے دینی کی وجہ سے اسلام کے مقدسات کی توہین کیا کرتا تھا۔ اور اپنی خواہشات کی تکمیل کیلئے ہر جائز و ناجائز کو کر گزرتا تھا۔ وہ علی الاعلان شراب پیتا تھا اور فساد و گناہ کا کھلم کھلا ارتکاب کرتا تھا۔ جب وہ راتوں کو بدقماش اور بدمعاش لوگوں کے ساتھ شب باشی کرتا تھا تو ساری ساری راتیں بادہ کشی اور میگساری اور ارے بے ہودہ اور شرمناک قسم کے اشعار پڑھنے میں گزار دیتا۔

اس کے اشعار کا نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔ جو علامہ سبط ابن جوزی نے اپنی کتاب تذکرۃ الخواص صفحہ ۲۹۱ میں درج کئے ہیں۔

مَعْشَرَ النَّدْمَانِ قُومُوا   وَاسْمَعُوا صَوْتَ الْاَغَانِي

وَاشْرِبُوا كَاسَ مُدَامٍ   وَاتْرُكُوا ذِكْرَ الْمَعَانِي

شَغَلَتْنِي نَغْمَةُ الْعِيدَانِ   عَنْ صَوْتِ الْاَذَانِ

وَتَعَوَّضْتُ عَنِ الْحُوْرِ   خُمُورًا فِي الدِّنَانِ

اے میرے ہم پیالہ دوستو! اٹھو اور خوش آواز نغمہ سراؤں کی آوازوں کو غور سے سنو!!

شراب کے پیالوں کو مسلسل اور کسی فاصلے کے بغیر پیو اور علمی اور ادبی مذاکروں کی طرف دھیان نہ دو۔ خواہشات کے بھڑکانے والے نغموں کی آواز نے مجھے :اذان: اور :اللہ اکبر: کی صدائیں سننے سے روکا ہوا ہے۔ میں حاضر ہوں کہ بہشت کی حوروں کے بدلے میں جو کہ ادھار کی حیثیت رکھتی ہیں، شراب کے پیالوں کو حاصل کروں جو نقد کی صورت میں ہیں (گویا نقد ہمارا مال اور ادھار ان کیلئے ہے جو قیامت پر ایمان رکھتے ہیں)

اس طرح سے وہ بڑی بے حیائی کے ساتھ اسلامی مقدسات کا منہ چڑاتا تھا۔ وہ صاف اور واشگاف الفاظ کے ساتھ رسالت اور حضور رسالت مآب ﷺ پر وحی کے نزول کا انکار کیا کرتا تھا۔ اور اپنے بڑے باپ کی طرح ان تمام چیزوں کو ایک خیال اور واہمہ سمجھتا تھا، جس کا ثبوت یہ

ہے کہ اس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کر دینے کے بعد اپنی ظاہری فتح کے نشہ میں مست ہو کر جو اشعار پڑھے اسے بہت سے تاریخ نگاروں نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے، شیخ عباس قمی مرحوم نے بھی اپنی کتاب تتمۃ المنتہیٰ فی وقائع ایام الخلفاء ص ۴۴ میں لکھا ہے، اس نے کہا:

لَیْتَ اَشْیَاخِیْ بِبَدْرٍ شَهِدُوْا جَزَعَ الْخَزْرَجِ مِنْ وَّقْعِ الْاَسَل

لَاَهَلُّوْا وَاسْتَهَلُّوْا فَرِحَا ثُمَّ قَالُوْا يَا يَزِيْدُ لَا تَشَلْ

لَعِبَتْ هَاشِمٌ بِالْمُلْكِ فَلَا مَلَكٌ جَآءَ وَلَا وَحْیٌ نَّزَل

یعنی اے کاش! آج میرے وہ بزرگ ہوتے اور وہ جنگ بدر میں مارے گئے قبیلہ خزرج کی چیخ وپکار کو سنتے جو نیزوں کی وجہ سے بلند ہو رہی ہے تو اس وقت وہ خوش ہو ہو کر مجھے داد دیتے اور کہتے (یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں) بنی ہاشم نے تو ملک کے ساتھ ایک کھیل کھیلا ہے، حالانکہ نہ تو کوئی فرشتہ آیا ہے اور نہ ہی کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ (کتاب معجم البلدان سے علامہ مرتضیٰ عسکری نے اپنی کتاب نقش ائمہ در احیائے دین جلد ۶ ص ۷۶ میں نقل کیا ہے کہ ایک سال یزید کے باپ نے (یہ دکھانے کے لیے کہ یزید صرف اہل بزم ہی نہیں اہل رزم بھی ہے) اسے رومیوں سے جنگ کیلیے ایک لشکر ساتھ روانہ کیا اور سفیان بن عوف غامدی کو اس کے ہمراہ بھیجا۔ لیکن دلچسپی کی بات یہ ہے کہ یزید کے باپ نے سفیان بن عوف غامدی کو اس کے ہمراہ بھیجا۔ مگر یزید از خود اپنے ہمراہ اپنی محبوبہ ام کلثوم کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔

یزید سے پہلے سفیان اپنے لشکر کے ساتھ سرزمین روم میں جا پہنچا، لیکن آب وہوا کی خرابی کی وجہ سے مسلمان سپاہی: غذقذونہ: کے مقام پر ایک موذی مرض میں مبتلا ہو گیا۔

قارئین کی معلومات کے لیے ہم یہ بتاتے چلیں کہ: غذقذونہ: روم اور شام کے ایک سرحدی علاقے کا نام ہے جس میں طرطوس اور مصیصہ کے شہر واقع ہیں۔

بہر حال تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۶۰ انساب الاشراف بلاذری جلد ۴ ص ۳ معجم البلدان ص ۵۳۴ میں ہے کہ یزید راستے ہی میں مقام: دیر مران: میں اپنی اسی محبوبہ کے ساتھ عیاشی اور میگساری کیلیے رک گیا۔

یہاں پر پھر ایک مرتبہ ہم اپنے قارئین کی معلومات کیلئے عرض کرتے چلیں "دیر مران" دمشق کے نزدیک ایک پر فضا اور سیاحتی شہر ہے اور اس بارے میں یاقوت حموی کہتے ہیں کہ مران میم کے ضمہ یعنی پیش کے ساتھ مر کا تشبیہ ہے یہاں پر ایک گرجا گر تھا جس کے اطراف میں مسیحی برادری رہتی تھی یہ شہر مختلف فسق وفجور اور شراب خواری کا مرکز تھا عصر اموی وعباسی میں تمام ہوس پرست اپنی ہوس کی پیاس بجھانے کیلئے اسی شہر کا رخ کرتے تھے۔ حالانکہ یہ علاقہ عبادت کیلئے مخصوص تھا۔ یزید بھی اسی سرسبز وشاداب اور فسق وفجور کیلئے آمادہ شہر میں چلا گیا تھا۔

غرض اپنی عادت کے مطابق ام کلثوم کے ساتھ عیاشی میں مصروف ہو گیا اور جب اسے مسلمان سپاہیوں کے بیمار ہونے کی خبر ملی تو اس نے یہ اشعار پڑھنا شروع کر دیے

مَا اِنْ اُبَالِیْ بِمَا لَاقَتْ جُمُوْعُهُمْ بِالْغَذْقَذُوْنَةِ مِنْ حَمّٰی وَمِنْ حُوْمِ

اِذَا اتَّكَاتُ عَلَی الْاَنْمَاطِ فِیْ غُرَفٍ بِدَيْرِ مُرَّانِ عِنْدَ اُمِّ كَلْثُوْمِ

یعنی میں تو دیر مران کے کمروں میں گاؤ تکیوں کی ٹیک لگائے ہوئے ہوں اور ام کلثوم میرے پہلو میں ہے مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ غذقذونہ کے مقام پر مسلمان سپاہی بیماری میں مبتلا ہوں یا آغوش مرگ سے ہمکنار ہوں۔

قارئین! ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ جو شخص اپنے ملک کے جوان سپاہیوں کے بارے میں اس قدر دل سوز ہو۔ تو اگر مسلمان ملک کی تقدیر اس کے ہاتھوں میں آجائے تو بیچاری مسلم امہ کے ساتھ وہ کیا سلوک کرے گا؟

چنانچہ مروج الذہب مسعودی جلد ۳ اور معجم البلدان حموی ص ۵۳۴ کے مطابق یزید کا دربار مختلف قسم کی آلودگیوں اور گناہوں کا مرکز بن چکا تھا اور دربار کے بے دینی کے اثرات اسلامی امہ میں وبا کی طرح اس قدر عام ہو چکے تھے کہ اس کی حکومت کے مختصر عرصہ میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ جیسے کائنات کے مقدس ترین شہر بھی اس کے گناہوں اور آلودگیوں سے نہ بچ سکے۔

اخطب خوارزمی مقتل الحسین جلد ۲ ص ۱۸۳ میں لکھتے ہیں انجام کار یزید خود بھی ایسے گناہوں کا شکار ہو گیا اور زیادہ شراب نوشی کے نتیجہ میں واصل جہنم ہوا۔ عالم اسلام کے ایک نامور مورخ جناب مسعودی اپنی کتاب مروج الذہب جلد ۳ ص ۶۸ میں لکھتے ہیں کہ یزید نے لوگوں کے ساتھ فرعون جیسا رویہ اختیار کیا ہوا تھا بلکہ فرعون کا رویہ اس سے بہتر تھا۔

قارئین! یزید کی ننگ وآر زندگی اور پلید حکومت کی آلودگیوں اور تباہ کن سرگرمیوں کی فہرست اس قدر طویل ہے جس کے ذکر کیلئے ایک طولانی عرصہ درکار ہے اور ہماری بحث سے بھی باہر ہے امید ہے جو کچھ بتایا گیا ہے اس کے نجس اور منحوس چہرے کی پہچان کیلئے کافی ہو گا۔

یزید کا مسیحیت کی طرف جھکاؤ

قارئین! ان سب باتوں سے ہٹ کر اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اصولی طور پر یزید کی پرورش اور تربیت، ہی عیسائیت یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تحریف شدہ دین پر کی گئی تھی۔ اگر کلی طور پر نہ بھی ہو پھر بھی کم از کم اس کا جھکاؤ اسی طرف ضرور تھا۔ چنانچہ استاد عبداللہ علائلی اپنی کتاب سموالمعنی جی سموالذات ص ۵۸ میں فرماتے ہیں

اگر ہم یہ کہیں کہ یزید کی تربیت مسیحی بنیادوں پر کی گئی تھی تو شاید بات عجیب معلوم ہو کیونکہ وہ اسلامی تربیت اور اسلامی تعلیمات سے بہت دور تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے قارئین انکار کی حد تک اس انکشاف پر تعجب بھی کریں۔ لیکن اگر انہیں یہ بات معلوم ہو کہ یزید کے مادری خاندان کا تعلق "بنی کلب" سے تھا جو اسلام سے پہلے ہی مسیحی دین کا پیروکار تھا تو پھر وہ تعجب نہیں کریں گے اور یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ یزید نے اپنی جوانی کے عرصے اسی خاندان میں پرورش پائی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنی تربیت کے حصول اور اپنی شخصیت سازی کا سارا عرصہ اسی عیسائیت کے ماحول میں گزارا اور اس کے تمام تر مربی بھی عیسائی ہی تھے۔

اس کے علاوہ عیسائیت کے اثرات کو قبول کرنا، بادیہ نشینی کا گنوار پن، صحرائی طبیعت میں سختی اور بے رحمی اس کی سرشت میں رچ بس چکی تھی۔ علاوہ ازین بہت سے مورخین نے اس بارے میں بتایا ہے کہ یزید کے کچھ استاد اور مربی شام کے عیسائی بھی تھے۔ اور مسلمانوں کے ہونے والے حاکم کیلئے اس قسم کی غلط تربیت کے آثار، کسی پر پوشیدہ نہیں اور یہ الفاظ ہیں ایک عیسائی مورخ "لامنس" کے جو اس نے اپنی کتاب معاویہ و یزید میں لکھے ہیں

علامہ: علائلی: کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یزید نے عیسائی شاعر: اخطل: کو بھی انصار کی ہجو کرنے پر آمادہ کیا تھا۔

اسی طرح مورخین نے بالاتفاق بیان کیا ہے کہ یزید نے اپنے ایک بیٹے کی تربیت کی ذمہ داری ایک عیسائی معلم کو سونپی تھی غرض ان سب برائیوں کی اصل اس کی عیسائیت پر مبنی تربیت تھی۔

مرحوم شیخ عباس قمی اپنی کتاب تتمۃ المنتہیٰ فی وقایع ایام الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ تاریخ گواہ ہے کہ یزید نے خود بھی عسائیت کی طرف اپنے جھکاؤ کو کبھی پوشیدہ نہیں رکھا بلکہ وہ علی اعلان کہتا تھا کہ

فَاِنْ حُرِّمَتْ عَلٰی دِیْنِ اَحْمَدٍ۔ فَخُذْھَا عَلٰی دِیْنِ الْمَسِیْحِ بْنِ مَرْیَمِ

اگر شراب دین احمد یعنی دین اسلام میں حرام ہے تو پھر اسے مسیح بن مریم کے دین پر لے کر پی جاؤ قارئین کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ سلطنت روم کا اموی دربار میں کافی حد تک اثر ورسوخ تھا اور روم کے بہت سے عیسائی دربار شام میں حکومت کے سرکاری مشیر تھے۔ چنانچہ مورخین کی تصریح کے مطابق جب حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ معظمہ سے کوفہ جانے لگے تو اس وقت عیسائی مشیر،، سرجون رومی نے مشورہ دیا کہ ''بصرہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد کو حکم دے کہ اپنے اسی عہدے پر برقرار ہوتے ہوئے اپنی جگہ کسی کو قائم مقام بنا کر فوراً کوفہ آجائے اور کوفہ کے اس وقت کے گورنر:: نعمان بن بشیر:: کو برطرف کر دیا جائے''

ایک اہم نکتہ

قارئین گرامی! جب دربار شام میں عیسائیت کے اثر ونفوذ کی بات چل نکلی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں مزید کچھ وضاحت ہو جائے

تو قارئین ابن زیاد کو کوفہ کے گورنر بنانے کا مشورہ اس کے عیسائی مشیر نے دیا تھا اور اسے ابو مخنف نے مقتل الحسینؑ میں، طبری نے تاریخ الامم والملوک میں، ابن اثیر نے کتاب الکامل فی التاریخ میں، شیخ مفید نے الارشاد میں اور ابو علیٰ مسکویہ نے کتاب تجارب الامم میں ذکر کیا ہے۔ عیسائی دانشور ''فرڈینان ٹوٹل'' نے المنجد کے معجم الاعلام الشرق والغرب میں لکھا ہے کہ امیر شام یعنی یزید کے باپ کی فوج کا اکاؤنٹنٹ جنرل اور وزیر مال:: یوحناد مشقی،، کا باپ، منصور بن سرجون،، عیسائی تھا۔

آیت اللہ صافی اپنی کتاب ''پرتوی از عظمت حسین علیہ السلام''میں اس بارے تحریر فرمائے ہیں کہ عباس محمود عقاد نے اپنی کتاب معاویہ بن ابی سفیان فی المیزان ص ۱۶۸ میں لکھا ہے کہ امیر شام نے اپنے تمام مالی امور سرجون بن منصور عیسائی کے سپرد کئے ہوئے تھے اور اس کے بعد اس کے بیٹے، منصور بن سرجون کو سونپ دئے ابو علی مسکویہ کتاب تجارب الامم جلد ۲ ص ۱۱۲ اور ص ۲۹۱ میں کہتے ہیں کہ امیر شام اور اس کے بیٹے کی حکومت میں سرکار کے دیوان مالیات کا یہ منشی،، سرجون بن منصور عیسائی تھا۔

قارئین محترم! یہاں اس بات کا تذکرہ یقیناً دلچسپی اور تعجب سے خالی نہیں ہوگا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام کو اسیران کربلا کے ساتھ دمشق لایا گیا تو انہیں ایک کھنڈر نما قید خانے میں قید کر دیا گیا۔ ان قیدیوں میں سے ایک نے کہا ہمیں ایسے قید خانہ میں ٹھہرایا گیا ہے جس کی چھت گرنے والی ہے جو ہماری موت کا سبب بن سکتی ہے

یہ سن کر ان کی نگرانی کرنے والے سپاہیوں میں سے ایک نے رومی زبان میں کہا انہیں دیکھو کہ ایک مکان کی چھت گرنے سے ڈر رہے ہیں جبکہ انہیں کل یہاں سے نکال کر قتل کر دیا جائے گا۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے سوا کوئی بھی ہم میں سے رومی زبان کو اچھی طرح نہیں سمجھتا تھا، اسی روایت کو ابو جعفر محمد بن حسن الصفار نے کتاب،، بصائر الدرجات میں نقل کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت یزید کے ملازمین جنہیں اسیران کربلا کی نگرانی سونپی گئی تھی رومی زبان بولتے تھے جس سے قوی احتمال یہی ہے کہ وہ رومی الاصل اور عیسائی تھے اور حضرت امام علی زین العابدین اپنے علم امامت کے ذریعہ ان کی زبان کو سمجھتے تھے۔

بہر حال قارئین محترم! اب ہم اصل مطلب کی طرف آتے ہیں، اور وہ یہ کہ اس قسم کے اقدامات سے یزید کا منحوس چہرہ اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے اور اس کا کفر اور اس کی اسلام دشمنی الم نشرح ہو جاتی ہے۔ اور حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے عظیم انقلاب کی وجوہات

بھی کھل کر سامنے آجاتی ہیں کہ یزید کی حکومت نہ صرف یہ کہ ایک ایسی حکومت تھی کہ جس پر موروثی سلطنت کی بنیادرکھی جاچکی تھی بلکہ خوداس کی ذات میں حکومت کرنے کی صلاحیت بھی نہیں تھی۔اور امام علیہ السلام کے نکتہ نظر سے ایک غیر شرعی اور ناجائز حکومت تھی اسی وجہ سے امیر شام کی موت کی وجہ سے جو رکاوٹیں موجود تھیں وہ برطرف ہوچکی تھیں اور وقت کا تقاضا تھا کہ آپ اس حکومت کی غیر شرعی حیثیت سے اس کی مخالفت کااعلان کریں۔اوراس کے برعکس اگر آپ اس کی بیعت کرلیتے تو یہ اس کی حکومت کے شرعی ہونے کی بہت بڑی دلیل بن جاتی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف سے یزید کی مخالفت کی وجوہات خود امام علیہ السلام کے بیانات اور خطوط سے واضح ہوجاتی ہے اور پہلے دن سے آپ نے مدینہ میں ہی اس کو بیان کردیا تھاجب آپ کو دارالامارہ میں طلب کیا گیااور ولید نے یزید کی بیعت کاآپ سے تقاضا کیااور آپ نے اس سے صاف انکار کردیاتواس وجہ سے آپ زیادہ دباؤڈالا جانے لگاتوآپ نے جواب میں فرمایا''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ وَعَلَی الْاِسْلَامِ اَلسَّلَامُ اِذْقَدْبِلِیَتِ الْاُمَّۃُ بِرَاعٍ مِثْلِ یَزِیْد''اب جبکہ مسلمان یزید کی حکومت کی گرفت میں آچکے ہیں تو پھر اسلام کا فاتحہ ہی پڑھ لینا چاہیے۔

اہل کوفہ کے خطوط کے جواب میں آپ نے مسلم امہ کے زمہ دار کی خصوصیات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا۔''مَا اْلِاِ مَامُ اِلَّا اْلعَامِلُ بِالْکِتَابِ وَالْآخِذُبِالْقِسْطِ وَالدَّائِن بِالْحَقِّ وَالْحَابِسُ نَفْسَہٗ عَلٰی ذَاتِ اللّٰہِ''مسلمانوں کاامام اور پیشواوہ ہوسکتا ہے جو کتاب خدا پر عمل کرے، عدل وانصاف کی راہ پر چلے، حق کی پیروی کرے اور فرمان خداوندی کا سراپا مطیع ار فرمانبردار ہو۔

شام والوں کی اسلامی معارف سے آگاہی

اصولی طور پر اگر دیکھاجائے تو مملکت شام جس دن سے مسلمانوں کے تصرف میں آئی اسی دن سے ہی اس نے خالد بن ولیداور معاویہ بن ابوسفیان جیسے حکمرانوں کی صورت کو دیکھا یہاں کے لوگوں کو نہ تو حضور پیغمبر اسلام ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہوااور نہ ہی اصحاب پیغمبر ص کے طور واطوار سے واقف تھے۔اور نہ ہی کم از کم اسلام سے اس قدر واقف تھے جتنا کہ مدینہ میں رائج تھا۔البتہ ایک سو تیرہ اصحاب پیغمبر ﷺ یاتو اس سرزمین کی فتح میں شریک تھے یا بالتدریج اس سرزمین میں آکر قیام پذیر ہوئے اور اگر اس قدر صحابہ کرام کے حالات کا بغور جائزہ لیاجائے تو معلوم ہوگا کہ سوائے چندافراد کے باقی تمام حضرات کو حضور سرور کائنات ﷺ کی صرف مختصر عرصے کیلئے شرف صحبت حاصل رہا۔اور نہیں چند ایک حدیثوں کے سوا کچھ یاد نہیں تھا۔

علاوہ ازیں ان میں سے کچھ رخصت بھی ہوگئے تھے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے قیام اور شہادت کے وقت صرف گیارہ حضرات زندہ تھے جو شام مین زندگی گزار رہے تھے۔یہ لوگ ستر یااسی سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور گوشہ نشینی کو لوگوں کے ساتھ میل ملاپ پر ترجیح دی ہوئی تھی اسی لیے ان کا عوام الناس میں کوئی اثر رسوخ نہیں تھا۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یزید کے ہم سن وسال نوجوان حقیقی اسلام سے بالکل نابلد تھے اور ان کی نظر میں اسلام بھی اسی طرح کی ایک حکومت کا نام ہے جس طرح کی حکومتیں اس سے پہلے رائج تھیں۔

امیر شام کے دربار کی ٹھاٹھ اور شان وشوکت،عوام الناس کے مال کی لوٹ مار،دوسری منہ زور اور طاغوتی حکومتوں کی طرح بلند وبالا محلات کی تعمیر خصوصی محافظ اور سلامی دینے والے فوجی دستوں کی تشکیل،اختلاف رائے رکھنے والوں کا قتل،جلاوطنی یا پھر زندان جیسے امور اس حکومت کیلئے معمول کے کارنامے شمار ہوتے ہیں جبکہ اس حکومت سے نصف صدی قبل اس سے برعکس قسم کا نظام دیکھنے میں آتاہے۔البتہ اس دور میں وہ لوگ بھی تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ مدینہ منورہ میں بھی عصر نبوی میں اسی طرح کا نظام تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شام کے لوگ امیر شام او راس کے حوالی موالی افراد کے کردار کو اسلامی سنت کا جیتا جاگتا نمونہ سمجھتے تھے۔

یزید کے باپ نے شام پر تقریباً بیالیس سال حکومت کی ہے یعنی تقریباً پانچ سال خلیفہ ثانی کی طرف سے اور تقریباً بارہ سال خلیفہ ثالث کی طرف سے وہ شام کے حکمران رہے تقریباً پانچ سال کا عرصہ امیر المومنین علی علیہ السلام کی خلافت کے دور میں اور تقریباً چھ ماہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے ظاہری دور خلافت میں شام پر حکمرانی کرتے رہے۔اور حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت کے بعد تو ایک مستقل "اسلامی خلیفہ" کے عنوان سے تقریباً بیس سال تک حکمرانی کرتے رہے۔

امیر شام کا زہریلا پروپیگنڈا

امیر شام نے تقریباً بیس سال کے اس طویل عرصے میں شام والوں کی ایسی اخلاقی تربیت کی جس سے وہ بصیرت اور دینی معارف سے بالکل بے بہرہ ہو گئے اور اپنے امیر کی اطاعت بغیر کسی چون وچرا کے اپنے لیے لازم سمجھنے لگ گئے تھے۔

اس طویل عرصے میں اس نے فوجی اور سیاسی لحاظ سے ہی اہل شام پر تسلط حاصل نہیں کر لیا تھا بلکہ مذہبی اور نظریاتی طور پر بھی انہیں اندھا بہرہ اور گونگا بنا دیا تھا اس لیے کہ وہ جو کچھ بھی ان کے لیے دین اسلام کے نام پر پیش کرتے وہ کسی پس وپیش کے بغیر قبول کر لیتے چنانچہ اس نے اپنی خصوصی عیاری او مکاری کے ذریعہ بہت ساری کامیابیاں حاصل کر لی تھی جو لائق توجہ ہیں۔اس کی اس قسم کی کامیابیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے اسلام کے عظیم انسان یعنی علی بن ابی طالب علیہ السلام کے تابناک چہرے کا لوگوں سے برعکس تعارف کرایا اسی کے حکم کے مطابق اسلام کے اسی بطل جلیل پر نوے سال تک سب وشتم ہوتا رہا۔

حضرت رسالت مآب ﷺ نے اسلام کے ایک بطل جلیل یعنی جناب عمار یاسر کے متعلق ارشاد فرمایا۔

"یَا عَمَّارُ تَقْتُلَكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ"،اے عمار! تمہیں باغی گروہ شہید کرے گا۔چنانچہ حضور ﷺ کی یہ پیشن گوئی جنگ صفین میں پوری ہو گئی او اسلام کا یہ نوے سالہ بزرگ سپاہی علی بن ابی طالبؑ کے ہمراہ جنگ کرتے ہوئے سپاہ شام کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرما گیا اور لشکر شام میں یہ سن کر جب کھلبلی مچی تو امیر شام نے اپنی عوام فریبانہ شیطانی چال سے کام لیتے ہوئے کہا عمار کے قاتل ہم نہیں بلکہ علیؑ ہیں جو انہیں میدان جنگ میں لے آئے اور ان کی شہادت کا باعث بنے۔

یہ اور بات ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اس کا حکیمانہ جواب دے کر اس کی منطق کو باطل کر دیا کہ اگر ان کی شہادت کا سبب میں بنا ہوں تو پھر حضرت حمزہؓ کی شہادت کا سبب سرور کونین ہوں گے جو انہیں میدان جنگ اُحد میں لے آئے۔

اسی طرح دربار شام میں علی علیہ السلام کے قاصد کے اونٹ کو دن دیہاڑے بیسیوں افراد کی موجودگی میں اونٹنی قرار دے کر اس پر قبضہ کر لیا گیا وہ چیختے چلاتے رہے کہ یہ اونٹ ہے اس میں اونٹ کی علامتیں پائی جاتی ہیں اونٹنی کی نہیں مگر اس بیچارے کی کسی ایک نے نہ سنی اور اس پر قبضہ کر لیا گیا۔

بدھ کے دن نماز جمعہ کی ادائیگی ایک ایسا رسوا کن اقدام ہے کہ اب تک اس رسوائی کا مداوا نہیں ہو سکا اور یہ تا قیامت تاریخ اسلام کے تاریک دور کی علامت بن گیا۔

بنی امیہ کے منحوس دور حکومت میں خاندان عصمت وطہارت کے بارے میں جو کینہ پرور اور زہریلا پروپیگنڈا کیا گیا کہ لوگوں کے دلوں میں ان کے بارے میں ایک نفرت سی پیدا ہو گئی جب کہ اس کے برعکس بنی امیہ کو رسول خدا کے رشتہ دار ہونے کی حیثیت سے متعارف کرایا گیا چنانچہ مورخین لکھتے ہیں۔

بنی عباس کی تحریک کے کامیاب ہو جانے اور ابوالعباس سفاح کی حکومت کے مستحکم ہو جانے کے بعد شام کے دس امراءاس کے پاس گئے اور سب نے قسم کھا کر کہا کہ ہم بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان کی ہلاکت تک نہیں سمجھتے تھے کہ رسول خدا(ص) کے بنی امیہ کے علاوہ اور بھی رشتہ دار ہیں۔جوان کی میراث کے وارث ہوں۔

اب جبکہ آپ امیر المومنین بنے ہیں، ہمیں پتا چلا ہے کہ آپ ہی حضور کے رشتہ دار ہیں۔مذکورہ بالا تصریحات کے بعد اب تعجب نہیں کرنا چاہیے اس بات پر جو ہم مقتل کی کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ

جب اسیران کربلا کا قافلہ دمشق پہنچا تو ایک شخص علی بن الحسین امام زین العابدین علیہ السلام کے سامنے آکھڑا ہوا اور کہنے لگا،،خدا کا شکر ہے جس نے تمہیں قتل کیا ہے اور تمہیں نیست و نابود کیا ہے اور لوگوں کو تمہارے شر سے نجات دلائی ہے اور (نعوذ باللہ) امیر المومنین یزید کو فتح عطا کی ہے۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام سب کچھ خاموشی کے ساتھ سنتے رہے اور جب وہ اپنے دل کی تمام بھڑاس نکال چکا تو آپ نے فرمایا،آیا تم نے قرآن پڑھا ہے؟

کہا۔ہاں پڑھا ہے!

پوچھا: تم نے یہ آیت پڑھی ہے،قُل لَّآ أَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ أَجۡرًا إِلَّا ٱلۡمَوَدَّةَ فِي ٱلۡقُرۡبَىٰۗ

اے رسول کہہ دو کہ میں تم لوگوں سے رسالت کا اجر نہیں مانگتا سوائے یہ کہ تم میرے قرابتداروں سے محبت کرو

کہا ہاں میں نے پڑھا ہے۔

فرمایا: کیا تم نے یہ آیت پڑھی ہے وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّه،،اے پیغمبر! اپنے قریبیوں کو ان کا حق ادا کرو۔

کہا: ہاں پڑھی ہے

فرمایا۔کیا یہ آیت پڑھی ہے إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً۔

اے اہل بیت خدا تو یقیناً یہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی نجاست اور پلیدی کو دور رکھے اور تمہیں اسی طرح پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔

اس نے کہا، ہاں پڑھی ہے۔

تو فرمایا۔اے شیخ یہ تمام آیات ہمارے ہی حق میں نازل ہوئی ہیں، ہم ہی ہیں پیغمبر کے ذوی القربٰی اور ہم ہی اس کی اہل بیت ہیں جنہیں اللہ نے ہر قسم کی نجاست اور پلیدی سے دور رکھا ہے۔

اب بوڑھا سمجھ گیا جو کچھ ان قیدیوں کے بارے میں اس نے سن رکھا ہے وہ غلط ہے یہ خارجی نہیں یہ تو آل رسول ﷺ ہیں۔لہٰذا وہ اپنے کہے پر سخت نادم ہوا۔اور کہا میں آپ سے معافی مانگتا ہوں اور خدا کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور یزید پر لعنت کرتا ہوں، بالآخر یزید کے حکم پر اسے شہید کر دیا گیا۔

قارئین محترم! واقعہ کربلا کے تمام تفصیلی حالات اسی طرح کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام اور شام سے کربلا اور پھر مدینہ تک کے تفصیلی حالات اپنی کتاب،،کاروانِ شہادت، مدینہ سے مدینہ تک منزل بامنزل،، میں لکھ چکے ہیں۔اس کتاب کا مطالعہ ہمارے قارئین کیلئے مفید رہے گا ان شاءاللہ العزیز

اب ہم حضرت امام حسین علیہ السلام کے الٰہی انقلاب اور اسلامی تحریک کے نتائج کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے اور بتائیں گے سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی زندگی کے اہم ترین یعنی؛؛یوم عاشورا،، کے اقدام کے کیا نتائج نکلے ؟

تو قارئین! حضرت امام حسین علیہ السلام کی تحریک اور انقلاب عظیم کے آثار اور نتائج اسلامی امہ کے سامنے آئے اور اس کے حق میں ظہور پذیر ہوئے، ان میں سے کچھ کو ہم نمونے کے طور پر بیان کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

حکمران ٹولے کی رسوائی

چونکہ بنی امیہ اپنی حکومت کو دین کا رنگ دئے ہوئے تھے اور اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی جانشینی کے نام پر اسلامی امہ پر حکومت کر رہے تھے اور مختلف حیلوں بہانوں کا سہارا لے کر اپنی دینی حیثیت کو معاشرہ میں بحال رکھنے کی کوششوں میں لگے رہتے تھے مثلاً حدیثوں کی جعل سازی، شعراء اور محدثین کے ضمیروں کی خریداری اور جبریہ جیسے فرقوں کی سرپرستی وغیرہ۔

لیکن حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے قیام اور ان کی شہادت نے اس حکومت کے پیکر پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ وقت کے حکمران ٹولے کو رسوا کر کے رکھ دیا۔

بالخصوص سیاہ یزید نے کربلا کے دردناک واقعات میں جو گھناؤنا کردار ادا کیا اور انسانیت سے گری ہوئی ایسی حرکتیں کیں جس سے ان کی رسوائی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ مثلاً امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب وانصار حتیٰ کہ خواتین ار معصوم بچوں پر پانی بند کر دینا، چھوٹے معصوم بچوں کو تشدد کا نشانہ بنانا اور ان کو قتل کرنا شہداء کے لاشوں پر گھوڑے دوڑانا، خاندان عصمت وطہارت کی خواتین، بچیوں اور بچوں کو قید کرنا اسی طرح کے کئی اور دوسرے جرائم کا ارتکاب کہ جن کی اجازت نہ تو دنیا کا کوئی قانون دیتا ہے اور نہ ہی دین ومذہب، اسی وجہ سے یزید کے خلاف لوگوں کے دلوں میں عمومی نفرت پیدا ہوگئی اور تذکرہ خواص الامۃ کے بقول۔۔اس دور کی ایک شخصیت جس کا نام مجاہد ہے وہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! عمومی طور پر لوگوں کے دلوں میں یزید کے خلاف اس قدر نفرت پیدا ہو گئی کہ اس پر لعنتیں بھیجنا شروع کر دیں اور بڑی حد تک اسے نا سزا کہنے لگے۔ اس پر عیب لگانے لگے اور اس سے منہ پھیر لیا۔

اگرچہ یزید اپنی جنگ کی کامیابی کے آغاز میں بہت ہی مسرور وشادمان اور فتح کے نشے میں مغرور اور بدمست ہو گیا، لیکن بہت جلد عمومی افکار کے دباؤ کے نتیجے میں حواس باختہ ہو گیا اور امام حسین علیہ السلام کے قتل کا گناہ کوفہ کے گورنر ابن زیاد کی گردن پر ڈالنے لگا۔

سبط ابن جوزی جیسے مورخین لکھتے ہیں کہ

واقعہ کربلا کے فوراً بعد یزید نے ابن زیاد کو اس کی اس بارے میں نمایاں خدمات انجام دینے پر اسے اپنے پاس دمشق آنے کی دعوت دی اور اسے کافی حد تک مال وزر اور بڑے تحفے تحائف سے نوازا، اسے اپنے پاس بیٹھنے کیلئے جگہ دی، اسے بالائی رتبہ سے سرفراز کیا یعنی اس کے عہدے میں اسے ترقی دی، اسے اپنے حرم سرا میں لے جا کر شاہی خاندان کی عورتوں کے درمیان جا بٹھایا اور اپنا ندیم قرار دیا۔

لیکن جب عمومی افکار کا دباؤ بڑھا تو اس نے فوراً پینترا بدلا اور سارا گناہ ابن زیاد کی گردن پر ڈال دیا، ابن اثیر نے کتاب التاریخ الکامل میں، طبری نے اپنی تاریخ میں اور سبط ابن جوزی نے اپنی کتاب تذکرۃ الخواص میں ذکر کیا ہے کہ۔

جب امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک یزید کے پاس لایا گیا تو ابن زیاد کا مقام یزید کے نزدیک بہت بلند ہو گیا۔ وہ اس کے اس اقدام سے بہت خوش ہوا۔ اسے انعام واکرام سے نوازا، مگر زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ یزید کو اطلاعات ملنے لگ گئیں کہ عوام الناس اس سے سخت ناراض ہیں اسے لعنتوں اور ناسزا گوئیوں سے نواز رہے ہیں اسی وجہ سے وہ امام حسینؑ کے قتل پر سخت پشیمان ہوا، وہ کہنے لگا کہ اے کاش کہ میں اذیتیں برداشت

کرلیتا لیکن حسین کو عزت کا مقام دیتا، اور حضور رسالت مآب ﷺ کی حرمت اور قربت کے پیش نظر حسینؑ کے اختیارات اسی کے سپرد کردیتا۔ خواہ اس میں میری حکومت کمزور بھی ہو جاتی۔

خدا ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر لعنت کرے، کہ اس نے حسینؑ کو اس حد تک مجبور کردیا۔ حسینؑ تو کہہ رہے تھے کہ مجھے کسی اسلامی مملکت میں جانے دو مگر اس نے ان کی اس پیشکش کو قبول نہیں کیا اور قتل کردیا۔ اس نے اس طرح کا اقدام کرکے مجھے مسلمانوں کی نفرتوں اور دشمنیوں کا نشانہ بنادیا۔ اور میری دشمنی کا بیج ان کے دلوں میں ایسا بویا کہ قتل حسین کی وجہ سے اب ہر کس و ناکس میرا دشمن ہو چکا ہے۔ ابن مرجانہ نے یہ کیا مشکل میرے گلے میں ڈال دی ہے ؟؟

خدا اس پر لعنت کرے اور اپنے غضب میں گرفتار کرے۔

قارئین محترم ! اس خون ناحق کی تاثیر دیکھئے جہاں یزید اس کی ذمہ داری ابن زیاد پر ڈال رہا ہے وہاں ابن زیاد نے اس کی ذمہ داری عمر ابن سعد پر ڈالی تھی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب سانحہ کربلا میں ابن زیاد نے جن جرائم کا ارتکاب کیا تھا اور ان کے نتائج اسے بھیانک نظر آنے لگے، ہماری اس بات کی گواہ وہ گفتگو ہے جو ابن زیاد اور عمر بن سعد کے درمیان واقع ہوئی تھی اور جسے طبری اور ابی مخنف نے اس طرح نقل کیا ہے کہ۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد ابن زیاد نے عمر بن سعد سے کہا۔

وہ حکم نامہ جو میں نے تجھے حسین بن علی کے قتل کے بارے میں دیا تھا وہ کہاں ہے ؟؟؟

عمر سعد نے کہا۔ میں آپ کے حکم کی تعمیل کیلئے کربلا گیا اور وہ اسی جنگ کے دوران گم ہو گیا ہے

اس نے کہا۔ اسے ہر حال میں پیش کرو۔

کہا۔ گم ہو گیا ہے

ابن زیاد نے کہا۔ خدا کی قسم اسے حتما پیش کرنا ہوگا۔

ابن سعد نے کہا۔ میں نے اسے سبنھال کر رکھا ہوا ہے تاکہ جب میں مدینہ جاؤں تو قریش کی بزرگ خواتین کو دکھا کر اپنا جواز پیش کر سکوں میں نے تمہاری اس قدر خدمت کی ہے اور خیر خواہی کا ثبوت دیا ہے کہ اگر یہی کچھ اپنے باپ سعد بن ابی وقاص سے کرتا تو صحیح معنی میں اس کا حق پدری ادا کردیتا۔

حضرت امام عالی مقام کے انقلاب کا اس دور کے اسلامی معاشرہ میں کیا اثر ہوا اور اس میں کس حد تک شجاعت اور شہادت کی روح بیدار ہوئی ؟ اس کا اندازہ لگانے کے لیے اس بات کو پیش نظر رکھنا ہوگا کہ سانحہ کربلا سے بیس سال پہلے تک معاشرہ سکوت و جمود اور بے چون چرا اطاعت گزاری کا شکار تھا بجز حجر ابن عدی جیسے لوگوں کے اکا دکا اور انفرادی احتجاجات کے پورے معاشرہ پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اگرچہ اس طویل عرصے میں اجتماعی قیام وانقلاب کے اسباب زیادہ تھے لیکن کسی قسم کا کوئی مختصر قیام بھی رونما نہیں ہوا۔ ابھی عرض کیا جا چکا ہے جی دار اور بہادر قسم کے لوگوں کا احتجاج انفرادی حیثیت رکھتا ہے عوامی انقلاب نہیں کہلا سکتا۔

کوفے میں اگرچہ حضرت مسلم کی آمد کے بعد ایک حتجاجی لہر اٹھی، لیکن ہم نے دیکھا کہ لشکر شام کی کوفہ میں آنے کی ایک چھوٹی سی دھمکی پر ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے سالار شہداء کے شجاع نمائندے جناب مسلم بن عقیل کا ساتھ چھوڑ دیا اور کس طرح ان کے گرد سے تتر بتر ہو گئے ؟

کربلا کے دل گداز سانحہ نے مسلمانوں کے دینی شعور کو بیدار کر دیا اور ان کے اندر ایک روحانی تبدیلی پیدا کر دی۔ جس کی موثر شعاعوں نے تمام اسلامی امہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اور لوگوں میں اپنی شخصیت و شرافت اور دین کے دفاع کی روح پھونک دی۔ جسے برسوں سے فراموش کرا دیا گیا تھا۔ بقول شاعر۔

مظلوم بن کے مملکتِ دل پہ چھا گیا — بگڑا ہوا نظام محبت بنا گیا۔

تو اپنے خون پاک کے چھینٹوں سے اے حسین ! — انسان کی شرافت خفتہ جگا گیا۔

اس تبدیلی کا سب سے پہلا جلوہ، کوفے میں عبد اللہ بن عفیف ازدی کے قیام اور حکومت وقت کی مخالفت کی صورت میں دکھائی دیا، یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب جنگ کربلا کے خاتمہ کے بعد ابن زیاد نے سب سے پہلی تقریر دربار کوفہ میں کی اور اس میں اپنی فتح و کامرانی کے تذکرے اور فرزند رسول حسین ابن علی علیہما السلام کو نازیبا اور ناروا الفاظ کے ساتھ یاد کیا تو اسی دوران میں اسے ایک نابینا شخص عبد اللہ بن عفیف ازدی کے شجاعانہ اعتراضات کا سامنا کرنا پڑا۔

قارئین کی خدمت میں عرض کرتے چلیں عبد اللہ بن عفیف ازدی حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے اصحاب و انصار میں سے تھے ان کی ایک آنکھ جنگ جمل میں اور دوسری آنکھ جنگ صفین میں علیؑ کی حمایت میں قربان ہو گئی تھی۔

اس احتجاج و اعتراض کے نتیجہ میں ابن زیاد نے انہیں گرفتار کرنے کا حکم دیا لیکن ابن عفیف کے قبیلہ والوں نے اسکی مزاحمت کی اور انہیں گھر لے گئے۔ لیکن ابن زیاد نے جلادوں کا ایک ٹولہ ان کی گرفتاری کے لیے ان کے گھر بھیج دیا۔ عبد اللہ بن عفیف نے بڑی بہادری کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا لیکن کب تک ؟آخر کار گرفتار کر لیے گیے اور ابن زیاد کے حکم سے انہیں شہید کر دیا گیا۔

اس واقعہ کو ابن جریر طبری نے اپنی کتاب تاریخ الامم والملوک میں، ابو مخنف نے اپنی کتاب مقتل الحسین میں اور سید ابن طاؤس نے کتاب اللهوف فی قتلی الطفوف میں ذکر کیا ہے۔

۲۔ جذبہ شہادت کی آبیاری

حضرت ابا عبد اللہ الحسین علیہ السلام کے انقلاب کا دوسرا اثر یہ ہوا کہ اس سے مسلم امہ میں جذبہ شہادت از سر نو پیدا ہوا اور شوق شہادت دلوں میں موجزن ہوا۔ کیونکہ حضور سرور کائنات حضرت محمد مصطفی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خداوند عالم کی طرف سے جو آئین نو بنام اسلام دنیا کے سامنے پیش کیا اس کی بنیاد اللہ کی ذات پر ایمان کے اصولوں پر قائم تھی اس کے ساتھ ہی ساتھ ان کے اندر جذبہ شہادت بھی پیدا کر دیا تھا۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کی بہت سی کامیابیوں کا راز حق کی کامیابی کیلئے راہ خدا میں شہادت کا شرف حاصل کرنا تھا۔

لیکن جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد اسلامی حکومت اپنے اصلی محور سے ہٹتی چلی گئی اور فتوحات کے تسلسل اور مرکز خلافت میں غنیمتوں کے پیہم انبار اور دوسرے عوامل کی وجہ سے مسلمان آہستہ آہستہ اپنی مجاہدانہ ذمہ داریوں اور شہادت کے جذبہ سے دور ہو تے گئے اور صرف یہی نہیں بلکہ رفاہ اور تن آسانی کے عادی ہوتے چلے گئے۔ اور وہ یوں کہ جو شخص بھی اور جس طریقے سے بھی زمام اقتدار سنبھال لیتا۔ لوگ اپنی جان اور اپنی راحت طلبی کے ضائع ہونے اور معاشرتی کشمکش کا شکار ہونے کے خوف سے بڑے آرام کے ساتھ اس کے مطیع اور فرمانبردار ہو جاتے۔ اور جو ظالم لوگ اسلام کے نام پر ان کے حکمران بن جاتے ان کے اس طریقہ سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے۔ اور حکومت بنی امیہ کی عمر کا ایک ایک دن گزرتا گیا، حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے بالآخر امیر شام کی عمر کے آخری حصے اور یزید کی حکومت کے آغاز میں یہ صورت حال اپنے عروج کو پہنچ گئی۔ اس دور میں قبائل کے سربراہ اور علمائے دین کی اغلب تعداد زاور زور کی اطاعت گزار بن چکی تھی اس دور میں دینی

اور سیاسی کیفیت یہ تھی کہ عبیداللہ بن زیاد جیسے پست خاندانی حیثیت کے حامل کی پستی کو اچھی طرح جانتے ہوئے بھی اس کے سامنے سر تسلیم خم کر چکے تھے۔اس قسم کے لوگ نہ صرف یزید اور ابن زیادہ کے آگے بلکہ ان کے ماتحت کارندوں کے آگے بھی موم کی طرح نرم اور اطاعت گزار ہو چکے تھے۔کیونکہ جاہ ومال اور مکمل اختیار ان کے قبضہ قدرت میں تھا اور اس طرح کے لوگ اپنا نام پیدا کرنے اور روزی روٹی کے حصول کا ذریعہ ان کی اطاعت اور فرمانبرداری ہی کو سمجھتے تھے۔

ایسے لوگوں میں کچھ افراد وہ بھی تھے جو پستی اور گراوٹ میں مذکورہ افراد سے قدرے کم تھے اور وہ عوام فریب تقدس مآب تھے جو ظاہر میں زھد اور خداشناسی کا دعوے کرتے تھے تاکہ اس طرح سے لقمہ تر سے محفوظ رہے۔جبکہ حقیقت میں اپنے دور کے ظالموں اور ستمگاروں کو اپنی طرف متوجہ رہنے کی کوشش کرتے تھے اور انہی سے وابستہ فرمانبردار افراد کے زمرے میں شامل تھے۔اس دور کے عوام الناس کی کیفیت یہ تھی کہ وہ ایسے ہی چہروں سے آشنا تھے اور ان ناشائستہ کردار سے اس قدر مانوس ہو چکے تھے کہ ان کا ہر ایک عمل ان کی نگاہوں میں ایک معمول کا عمل دکھائی دیتا تھا۔اور کسی قسم کے اعتراض یا احتجاج کا باعث نہیں ہوتا تھا۔

عوام الناس کی زندگی کی کیفیت یہ تھی کہ ان کا تنہا مقصد اپنی ذاتی ضروریات کو پورکرنا تھا ہر شخص اپنی ذات کے زندہ رہنے کیلئے اپنے کاموں میں لگا رہتا تھا۔کسی کو کسی دوسرے کی کوئی فکر نہیں تھی۔ مسلم معاشرہ اور اس کی عظیم مشکلات قطعاً ان کے پیش نظر اور باعث توجہ نہیں تھیں۔ان کی زیادہ تر توجہ جس طرف تھی اور اس کے سختی سے پابند بھی تھے وہ یہ کہ انہیں سرکار دربار سے ملنے والا وظیفہ بند نہ ہو جائے۔اسی وجہ سے وہ چھوٹے بڑے حاکم وقت کے حکم کی بجاآوری اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے۔اور مذکورہ خطرے کے پیش نظر وہ جس قسم بھی ظلم اور بے راہروی اور معاشرتی برائیوں کو ملاحظہ کرتے اس کے خلاف کبھی آواز بلند نہ کرتے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی مقدس تحریک اور الٰہی انقلاب نے اس طرح کی طرز زندگی کو یکسر بدل کے رکھ دیا اور اسلامی امہ میں شوق شہادت کو از سر نو زندہ کر دیا۔امام الشہداء نے امسلمانوں کی ننگ آلود اور ذلت آمیز زندگی سے پردہ ہٹا کر ان کے سامنے ایک نیا راستہ کھول دیا کہ جس میں سختی اور محرومی تو ہے مگر ذلت اور رسوائی نہیں ہے۔

۳۔اسلامی امہ میں قیام وانقلاب کی تحریکیں۔

حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے عظیم اور جرات آموز انقلاب نے اسلامی امہ میں متعدد تحریکوں اور انقلابوں کے جذبے بیدار کر دیے۔ہم اپنی اس گفتگو کے دوران چند ایک تحریکوں کو بیان کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

الف۔توابین کا قیام

حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کی شہادت کا براہ راست اور فوری نتیجہ یہ نکلا کہ کوفہ شہر میں "توابین کی تحریک" کی بنیاد رکھ دی گئی۔اور وہ یوں کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت ہو گئی اور ابن زیاد اپنے گھر واپس لوٹ آیا۔تو جن شیعوں نے واقعہ کربلا میں امام مظلوم کی نصرت کا سنہری موقع گنوا دیا تھا سخت پشیمان ہوئے اور اپنے آپ کو بہت زیادہ ملامت کیا۔انہوں نے اب سمجھا کہ بہت بڑی غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔کیونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو دعوت دے کر بلایا لیکن ان کی کوئی مدد نہ کر سکے۔جبکہ امام علیہ السلام ان کی دعوت پر عراق آئے اور ان کے شہر کے پاس ہی شہید کر دیئے گئے مگر انہیں کچھ بھی احساس نہ ہوا۔

لٰہذاان لوگوں نے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی کہ ان کے دامن سے اس گناہ کاداغ کبھی نہیں دھل پائے گا۔جب تک کہ ان کے قاتلوں سے ان کے خون کابدلہ نہ لیاجائے یاخوداس راہ میں شہید نہ ہوجائیں۔اسی سوچ کے پیش نظروہ کوفہ میں پانچ شیعہ سرادارں کے پاس جمع ہوئے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

ا۔سلیمان بن صرد خزاعی،۲۔مسیب بن نجبہ فزاری،۳۔عبداللہ مسعود بن نفیل ازدی،۴۔عبداللہ بن ولی تمیمی اور۵۔رفاعہ بن شداد بجلی۔

اس سب کااجتماع سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر میں ہوااور سب سے پہلے مسیب بن بن نجبہ نے گفتگو کاآغازان الفاظ میں کیا۔

"ہم ہمیشہ موہوم خوبیوں کے دلدادہ رہے ہیں اور اپنے رہنماؤں کی خوبیوں کے نعرے تولگاتے رہے لیکن فرزند رسول ص کی نصرت اور امداد کے سلسلے میں خداوند عالم نے ہماراامتحان لیاہم اس امتحان میں سخت ناکام ہوگئے اور ہمارے زبانی اور جھوٹے دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے۔اس سے ہماری گردنیں جھک گئی ہیں اور ہم سب نادم اور پشیمان ہیں اور فرزند رسول ص کے بارے میں ہم نے ہر طرح سے کوتاہی کی ہے۔ فرزند رسول ص حسین علیہ السلام نے ہمیں خطوط لکھے۔قاصد بھیجے اور ہم سے ایک نہیں کئی مرتبہ مخفی اور آشکار ہر طرح سے امداد طلب کی اور ہمارے لیے ہر طرح کے عذروبہانوں کی راہیں بند کردیں۔لیکن ہم تھے کہ جنھوں نے ان کی رکاب میں جانیں قربان کرنے سے دریغ کیاکوئی عملی اور زبانی مدد کرسکے نہ ہی کوئی مادی اور مالی امداد کی اور نہ ہی اپنے اقوام وقبائل کوان کی مدد کیلئے بلایا۔

اب آپ ہی بتائیں کہ ہم اللہ اور اسکے رسول کو کیامنہ دکھائیں گے اور ان کے حضور کیاعذر پیش کریں گے اب اللہ کے ہاں ہمارا یہی عذر پیش ہوگا کہ حسین علیہ السلام کے قاتلوں کوکیفر کردار تک پہنچائیں یاپھر اس راہ میں شہید ہوجائیں!!ہوسکتاہے کہ اس طرح سے خداہم سے راضی ہوجائے!!

اس کے بعد دوسرے کئی افراد نے اسی طرح کی پرجوش تقریریں کیں سب سے آخر میں سلیمان بن صرد خزاعی جوان لوگوں کے سربراہ کی حیثیت سے منتخب ہوچکے تھے کھڑے ہوئے اور ان الفاظ میں تقریر کی۔

"ہم لوگ اہلبیت پیغمبر(ص) کی تشریف آوری کے منتظر تھے،ان سے نصرت کاوعدہ بھی کیاتھااور انہیں عراق آنے کی تشویق وترغیب بھی دی تھی اور جب وہ ہماری سرزمین میں تشریف لے آئے توہم نے بہت سستی کامظاہرہ کیااور اپنی ناتوانی اور عاجزی کاثبوت دیا۔وقت کوآج اور کل پرٹالتے رہے اور کسی نئے واقعے کے انتظار میں رہے۔آخر کار فرزند رسول(ص)شہید کردئے گئے۔ہاں تواب اس کی تلافی اس طرح کی جاسکتی ہے کہ سب لوگ کھڑے ہوجاؤاور اپنے ہاتھ قبضہ تلوارپررکھو!کیونکہ تم نے خداکے غضب کودعوت دی ہے۔لٰہذاجب تک خداکی رضاحاصل نہ کرلواپنے گھر بار کی طرف ہرگزواپس نہ جاؤ۔جب تک تم فرزند رسول(ص) کے خون کابدلہ نہ لے لواس وقت تک خداتم سے راضی نہیں ہوگا۔موت سے نہ ڈرو۔خداکی قسم جوموت سے ڈرتاہے اس کامقدر شکست اور ذلت ہے اب تمہیں بنی اسرائیل کی حیثیت اختیار کرناہوگی۔جب موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایاتھا۔"يَا قَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُم بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ"(بقرہ/۵۴)

اے قوم!تم نے بچھڑے کی پرستش کرکے اپنے اوپر ظلم کیاہے اب تم اپنے پیدا کرنے والے کے حضور توبہ کرواور اپنے آپ کو قتل کرو۔

اس ماجرا کے بعد سلیمان بن صرد نے صاحب السر صحابی رسول ص حضرت حذیفہ بن یمان کے صاحبزادے جناب سعد اور مدائن کے دیگر شیعیان علی علیہ السلام کے نام خط لکھاجس میں ان سے امداد طلب کی گئی۔ان لوگوں نے بھی ان کی دعوت کو قبول کرلیااسی طرح سلیمان نے بصرہ میں مثنیٰ ابن مخرمہ عبدی اور دوسرے شیعیان علیؑ کے نام خطوط روانہ کئے۔انہوں نے بھی ان خطوط کامناسب جواب دیا۔

توابین کیا چاہتے تھے؟

توابین اس بات کے معتقد تھے کہ قتل حسینؑ کی سب سے پہلی ذمہ دار حکومت بنی امیہ ہے نہ کہ تمام رعایا۔ لہٰذا خون حسینؑ کا انتقام لینے کیلئے وہ شام کی طرف چل پڑیں اور بنی امیہ سے بدلہ لینے کے بعد ہی کوفہ کے مجرمین کی خبر لیں گے۔

قارئین! ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ اس تحریک و تحرک کا اصل موجب گناہ کی ندامت کا احساس اور اپنی خطاؤں کی تلافی تھا۔ توابین کی تقریروں، خطوط اور خطابات کے درمیان سے پشیمانی کا عمیق احساس اور گناہوں کے دھونے کا شوق اور جذبہ موجزن تھا۔

اور جو شخص اس کا غور سے مطالعہ کرتا ہے اسے یہ سب کچھ بخوبی معلوم ہو جاتا ہے اور یہی وہ جذبہ تھا جو توابین کے قیام کا سبب بنا۔

توابین کا مقصد صرف اور صرف انتقام خون حسینؑ اور اپنے گناہوں اور لغزشوں کی تلافی تھا اور بس! یہ لوگ نہ تو مال غنیمت کی طلب میں باہر نکلے اور نہ ہی کشور کشائی اور حکومت پر قبضہ کیلئے کوئی قدم اٹھایا۔ مقصد صرف انتقام خون حسین تھا۔ اور جب وہ اپنے گھر بار کو چھوڑ کر باہر آ رہے تھے انہیں اطمینان تھا کہ دوبارہ لوٹ کر واپس نہیں آئیں گے۔ وہ اپنے اس مقصد کے حصول کے طلبگار تھے حتیٰ کہ جب دشمن نے انہیں امان دینا چاہی تو انہوں نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا کیونکہ وہ اسے اپنے قیام کی شکست کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے۔

جماعت توابین کے عناصر ترکیبی

یہ صرف شیعیان اہل بیتؑ ہی نہیں تھے جو توابین کے انقلاب سے وابستہ تھے، بلکہ تمام وہ لوگ بھی تھے جو خونین انقلاب کے ذریعہ سیاسی فضا کی تبدیلی اور اموی حکومت کے جبر و ظلم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے خواہاں تھے۔ لیکن چونکہ توابین کے انقلاب کا مقصد انتقام اور شہادت طلبی تھا اور انقلابی عناصر کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا اسی لیے بہت سے لوگ ان سے جدا ہو گئے سلیمان بن صرد خزاعی کے رجسٹر میں سولہ ہزار افراد نے اپنے نام رجسٹرڈ کرائے لیکن صرف پانچ ہزار لوگ ہی ان کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہوئے۔ البتہ مدائن سے ستر افراد اور بصرہ سے تین سو لوگ ان کے ساتھ ملنے کے لیے روانہ ہوئے لیکن جب میدان جنگ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ توابین شکست سے دوچار ہو چکے ہیں۔ بہر حال پانچ ہزار کا یہ دستہ شام کے تیس ہزار فوجیوں کے مقابلہ کے لیے پیش قدمی کرنے لگا۔ واضح سی بات ہے کہ ہمیشہ جو افراد اپنے ایمان اور عقیدے کی راہ میں جانبازی اور فداکاری کے اعلیٰ جذنے سے سرشار ہوتے ہیں اور شہادت فی سبیل اللہ کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں ان کی تعداد ہر دور میں کم ہی رہی ہے۔

توابین کی کاروائی

جماعت توابین کی تحریک کا آغاز ۶۱ ہجری ہی سے ہو گیا تھا اس دوران وہ اپنے آپ کو منظم کرنے۔ آلات حرب و ضرب کو فراہم کرنے اور لوگوں کو حسین مظلومؑ کے ناحق خون کا بدلہ لینے کیلئے مخفی طور پر دعوت دیتے رہے۔ اور لوگ بھی بلا امتیاز مذہب ان کے ساتھ ملتے رہے ابھی توابین انقلاب و قیام کے مقدمات تیار کر رہے تھے کہ یزید واصل جہنم ہو گیا۔ توابین نے کچھ افراد کو مختلف علاقوں میں بھیج دیا تا کہ لوگوں کو ان کے ساتھ ہمکاری اور تعاون کی دعوت دیں۔ اور اسی دوران میں وہ احتیاط یا مخفیانہ طرز عمل کو چھوڑ کر علی الاعلان اسلحہ اور دیگر جنگی ساز و سامان اکھٹا کرنے لگ گئے اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا۔ یہاں تک کہ پانچ ربیع الثانی ۶۵ ہجری کی شب جمعہ میں اس انقلاب کا پہلا شعلہ بھڑکا اور اس رات کو توابین کی تمام جماعت شہید کربلا حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کی قبر مبارک کی طرف روانہ ہوئی اور جونہی یہ قافلہ آنجناب کی قبر مبارک پر پہنچا دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ اپنے اختیار سے بے قابو ہو گیا اور وہ رو کر کہنے لگے۔

"پروردگارا!۔ ہم نے تیرے رسول کے بیٹے کی کوئی مدد نہیں کی لہٰذا ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ہماری توبہ کو قبول فرما۔ حسین مظلوم اوران کے شہید یار وانصار پر رحمت نازل فرما۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارا وہی عقیدہ ہے جس عقیدے پر امام حسینؑ اوران کے یار وانصار نے شہادت کا درجہ حاصل کیا ہے۔ پروردگارا! اگر تونے ہم پر نظر رحمت وشفقت نہ فرمائی تو ہم یقیناً زیان کار اور نہایت ہی بد بخت ہوں گے۔"

اس دلدوز اور دلخراش منظر کے بعد انہوں نے شہداء کی قبور کو الوداع کہا اور شام کی طرف چل دیئے۔ اور سر زمین "عین الوردہ" میں شامی لشکر کے ساتھ ان کا سامنا ہو گیا جس کی قیادت عبید اللہ بن زیاد کر رہا تھا اسی جگہ پر تین روز تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی آخر کار اس جماعت کو شکست ہوئی اور رفاعہ بن شداد بجلی کے سوا باقی تمام انقلابی راہنما شرف شہادت حاصل کر کے راہی بہشت برین ہوئے۔ اور جماعت کے دوسرے افراد رفاعہ ہی کی سر کردگی میں کوفے واپس آگئے۔ اور کوفہ میں امیر مختار کے ہمنواؤں کے ساتھ آکر مل گئے جو یہاں پر امیر مختار کیلئے پہلے سے کام کر رہے تھے۔

توابین کا قیام اگرچہ ایک واضح اجتماعی مقصد کا حامل نہیں تھا اور بہت جلد شکست سے بھی دوچار ہو گیا مگر یہ بات حتمی ہے کہ اس نے اہل کوفہ کے دلوں میں ایک گہرا اثر ضرور چھوڑا اور عمومی طور پر لوگوں کو بنی امیہ کی حکومت سے مقابلے کی جرائت بھی ضرور دلائی۔

ب۔ امیر مختار کا قیام

۶۶ ہجری میں امیر مختار بن ابی عبیدہ ثقفی نے سر زمین عراق میں قیام کیا تا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں سے ان کے خون کا بدلہ لے سکیں جب حضرت امیر مسلم حضرت امام حسین علیہ السلام کے حکم سے کوفہ تشریف لائے تھے تو امیر مختار ان کے ساتھ پورا پورا تعاون کرتے رہے اور جب حضرت مسلم کو ابن زیاد نے گرفتار کر کے شہید کر دیا تو اس کے ساتھ ہی جناب امیر مختار کو گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا۔

واقعہ کربلا کے بعد امیر مختار کے بہنوئی عبد اللہ بن عمر نے یزید سے امیر مختار کی رہائی کی درخواست کی اور انہیں رہائی مل گئی۔

اس دوران میں مکہ میں "عبد اللہ بن زبیر" نے قیام کر کے خود کو "خلیفہ المسلمین" کے نام سے متعارف کرایا ہوا تھا۔ امیر مختار سیدھا ان کے پاس پہنچے اوران کے شریک کار ہو گئے۔

۶۴ ہجری میں یزید کی ہلاکت کے پانچ ماہ بعد مختار نے دیکھا کہ عراق کے لوگ بنی امیہ کی حکومت کے خلاف قیام وانقلاب کیلئے تیاریوں میں مصروف ہیں اور عبد اللہ بن زبیر سے لا تعلق ہو چکے ہیں تو سیدھے کوفہ چلے آئے اور یہیں پر اپنی تگ ودو شروع کر دی۔

انہی دنوں میں "توابین" کی جماعت کوفہ میں تیاریوں میں مصروف اور افرادی قوت کی جمع آوری میں سر گرم تھی۔ لیکن امیر مختار کہتے تھے چونکہ سلیمان بن صرد جنگی اور عسکری مسائل سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں لہٰذا بہت جلد شکست کھا جائیں گے۔

عراق میں عبد اللہ بن زبیر کی ناکامی کا راز

ہمارے قارئین کے لیے یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہو گی کہ آخر کیا وجہ ہے کہ پہلے تو عراق کے لوگ عبد اللہ بن زبیر سے جا ملے لیکن بعد میں امیر مختار کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے خود ابن زبیر کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ تو اس بارے میں اس بات کی طرف توجہ کرنا ہو گی کہ اس دور میں عراق کے لوگوں کو دو اہم چیزوں کی ضرورت تھی۔ ایک تو معاشرہ کی عمومی اصلاح اور اموی دور حکومت میں جو غیر عرب لوگ کہ جنہیں اصطلاح میں "موالی اور اعجام" کہا جاتا ہے اور وہ اس حکومت کے جور وستم کا خصوصی نشانہ بنے ہوئے تھے۔ ان کی غیر مشروط حمایت اور دوسرے بنی ہاشم کے ناحق خون کا بنی امیہ سے انتقام! چنانچہ عراق والوں کو اپنے ان دونوں مطالبات کے پورا ہونے کی امید تھی۔ لہٰذا انہوں نے

ان کی بیعت کی تھی کیونکہ ایک تو وہ بنی امیہ کے دشمن تھے اور دوسرے وہ بظاہر تقدس مآب، زاہد اور دنیا سے اپنی بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ مگر بعد میں عملی طور پر معلوم ہوا کہ ابن زبیر اور بنی امیہ کی حکومتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ ابن زبیر نے عراق کو بنی امیہ کے چنگل سے نجات دلائی تھی لیکن شمر بن ذی الجوشن، شبث بن ربعی اور عمرو بن حجاج زبیری جیسے خطرناک جرائم پیشہ عناصر کہ جنہوں نے سانحہ کربلا میں حسین واصحابِ حسینؑ کے قتل جیسے سنگین جرائم کا ارتکاب کیا تھا وہ کوفہ میں نہ صرف زندہ تھے بلکہ ابن زبیر کی حکومت کے مقربین میں سے تھے

اس کے علاوہ ابن زبیر اہل عراق کے لیے عدل وانصاف کے تقاضے پورا کرنے میں بھی پورے طور پر ناکام رہے تھے۔ کیونکہ موالی اور اعجام کہ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ان کے دور حکومت میں بھی اسی طرح محرومیت کا شکار رہے جس طرح بنی امیہ کے دور حکومت میں ان کی حالت تھی۔

حکومت کے تمام کلیدی عہدے سرداران قبائل کے پاس تھے اسی وجہ سے چونکہ عراقیوں کو اپنے مطالبات پورے ہوتے ہوئے نظر نہیں آرہے تھے لہٰذا وہ انہیں چھوڑ کر امیر مختار سے آملے اور ان کی غیر مشروط حمایت کا اعلان کیا۔ امیر مختار نے اپنی اس تحریک کا تعلق حضرت امیر علیہ السلام کے فرزند حضرت محمد بن حنفیہ سے ظاہر کیا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے لوگ بڑے اطمینان کے ساتھ ان کی تحریک کے ہم نوا بنتے گئے۔ انکی تحریک کا نعرہ "یالثاراتِ الحسینؑ" تھا۔ جس کے معنی ہیں "اے خونِ حسینؑ کا بدلہ لینے والو! آگے بڑھو" اور یہی چیز اہل عراق کو اپنے مقاصد پورا کرنے کے لیے مطمئن کر رہی تھی۔

اقتدار مل جانے کے بعد امیر مختار نے اعجام اور موالی کی سرکاری طور پر حمایت کا اعلان کر دیا اور اس بارے میں انہوں نے عملی اقدامات بھی کئے لیکن مختار کا یہ اقدام عرب قبائل کے شیوخ اور سرداروں کو قطعاً پسند نہ آیا لہٰذا ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے انہوں نے اس بارے میں اجتماعات اور کانفرنسیں منعقد کرنا شروع کر دیں اور مختلف سازشوں میں مصروف ہو گئے۔ اور نوبت بایں جا رسید کہ عبداللہ بن زبیر کی فوجی طاقت کی امداد سے مختار کے خلاف اعلان جنگ کر دیا جن میں پیش پیش قاتلین امام حسین علیہ السلام تھے اور یہی چیز اس بات کا باعث بنی کہ امیر مختار کی زیر کمان انقلابی عناصر کے حوصلے مزید بلند ہو گئے اور وہ کامیابی کے حصول کیلیے مصمم ہو گئے۔ امیر مختار نے قاتلین امام حسینؑ کا مکمل طور پر تعاقب کیا اور انہیں کیفر کردار تک پہنچانے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ حتی کہ صرف ایک دن میں دو سو اسی ملعونوں کو موت کے گھاٹ بھی اتارا اور ان مجرمین کے کچھ سرغنوں کو تلاش کیا مگر وہ راہ فرار اختیار کر چکے تھے ان کے گھروں کو مسمار کر دیا جن میں "محمد بن اشعث" ملعون کا گھر بھی شامل تھا اور حکم دیا کہ اس گھر کے ملبہ سے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے یار جان نثار جناب "حجر بن عدی" کے گھر کو تعمیر کیا جائے جو زیاد بن ابیہ کے حکم سے مسمار کر دیا گیا تھا۔

بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ

تحریک توابین اور قیام مختار کی اجمالی بحث کو اس لیے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہ دونوں تحریکیں حضرت سید الشہداء حسین بن علی علیہ السلام کی شہادت کے فوراً بعد شروع ہو گئی تھیں۔ ورنہ جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے انقلاب کی وجہ سے رونما ہونے والی تحریکیں اور انقلابات صرف ان دو تحریکوں تک محدود نہیں ہیں بلکہ اس کے کئی سال بعد کے عرصے میں کئی انقلاب رونما ہوئے اور ساحل کامرانی سے ہمکنار بھی ہوئے۔

انہی انقلابات میں سے ایک بنی عباس کا انقلاب تھا جو ۱۳۲ ہجری میں کامیابی سے ہمکنار ہوا اور جس سے بنی امیہ کی بساط ہمیشہ کے لیے لپیٹ دی گئی۔ اور اس انقلاب کی کامیابی کا اہم عنصر اگر غور سے دیکھا جائے تو ان مظالم کا بیان تھا جو بنی امیہ نے بنی ہاشم پر روا رکھے تھے۔ اور اس خاندان کی مظلومیت کو بیان کر کر کے بنی عباس نے لوگوں کے جذبات سے خوب فائدہ اٹھایا اور انہیں بنی امیہ کے خلاف کھڑا ہو جانے پر آمادہ کر لیا اور ان میں سے خصوصی طور پر حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے پر درد واقعات لوگوں سے بیان کئے جاتے اور ان کی ہمدردیاں حاصل کی جاتیں۔ چنانچہ مورخین لکھتے ہیں کہ جب بنی امیہ کے آخری تاجدار "مروان حمار" کا کٹا ہوا سر، بنی عباس کے پہلے حکمران "ابوالعباس سفاح" کے سامنے لایا گیا تو وہ سب سے پہلے یوں مخاطب ہوا۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے میرا انتقام تجھ سے اور تیرے قبیلے سے لے لیا ہے اور اس کا اس بات پر بھی شکر ہے کہ اس نے مجھے تم پر کامیابی اور کامرانی عطا کی ہے" اس کے بعد اس نے یہ بھی کہا کہ "اب میرے لیے یہ بات زیادہ اہم نہیں ہے کہ مجھے موت آجائے یا میں زندہ رہوں۔ اس لیے کہ میں نے خون حسین کے انتقام میں دو ہزار امویوں کو قتل کیا ہے۔

قارئین! اس واقعہ کو شرح ابن ابی الحدید جلد ۷ ص ۱۳۰ میں اور مروج الذہب مسعودی جلد ۳ ص ۲۵۷ میں نقل کیا گیا ہے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب بنی امیہ کے سرداروں کے نیم جان لاشے ابوالعباس کے آگے ایک دوسرے پر ڈال دئے گئے تو اس نے ان لاشوں پر دستر خوان بچھانے اور کھانا لگانے کا حکم دیا اور اسی پر بیٹھ کر کھانا کھایا گیا اور اسی دوران میں نیم جان لاشے ان کے پاؤں کے نیچے تڑپ رہے تھے۔ جب سب کھانا کھا چکے تو ابوالعباس نے کہا "اس قدر خوشگوار غذا میں نے اپنی ساری زندگی میں کبھی نہیں کھائی"

اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ ان لاشوں کے پاؤں میں رسیاں باندھ کر سڑکوں اور گلیوں میں گھسیٹا جائے تاکہ لوگ ان کے مرنے کے بعد بھی ان پر اسی طرح لعنت کرتے رہیں جس طرح ان کی زندگی میں لعنت کیا کرتے تھے۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی لوگوں نے دیکھا کہ شہر کے کتے ان لاشوں کی ٹانگوں کو نوچ نوچ کر کھا رہے تھے اور ان کے جسموں پر زربفت اور گران قیمت لباس موجود تھا

قارئین اس واقعہ کو بھی اسی کتاب شرح ابن ابی الحدید میں بیان کیا گیا ہے۔

کلام الامام امام الکلام

قارئین محترم! اب جبکہ ہم سیرت حضرت سید الشہدا امام عالی مقام حسین بن علی علیہ السلام کے آخری مراحل میں پہنچ چکے ہیں لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس امام عالی مقام علیہ السلام کے دہن اقدس سے نکلے ہوئے کچھ کلمات مبارکہ کو آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے کیونکہ کسی کی شخصیت کا اندازہ اس کے کلام سے لگایا جاتا ہے اور مولا علیؑ فرماتے ہیں " اَلْاِنْسَانُ مَخْبُوءٌ، تَحْتَ لِسَانِهِ" کہ انسان اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوتا ہے۔ اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ کلام ہی کسی کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے، بالخصوص جب متکلم معصوم امام ہو۔ اور جس طرح امام دنیا کا رہبر اور رہنما ہوتا ہے اسی طرح اس کا کلام بھی کلاموں کا امام اور رہنما ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کا ایک مشہور جملہ جو دنیا جہان کے آزاد منش لوگوں کیلئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر دور کے آزاد منش انسان اس سے آزادی کا درس سیکھتے ہیں جسے بحار الانوار کے علاوہ بہت سی دوسری کتابوں میں بھی نقل کیا گیا ہے وہ ہے "مَوْتٌ فِي عِزٍّ خَيْرٌ مِّنْ حَيٰوةٍ فِي ذُلٍّ" یعنی عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔

امام الشہدا کا یہ جملہ اپنے والد گرامی کے اس جملے سے ملتا جلتا ہے جو نہج البلاغہ کے خطبہ ۵۱ میں ہے کہ " اَلْمَوْتُ فِي حَيَاتِكُمْ مَقْهُورِيْنَ وَالْحَيٰوةُ فِي مَوْتِكُمْ قَاهِرِيْنَ"

یعنی مغلوب اور مفتوح ہو کر زندہ رہنا در حقیقت تمہاری موت ہے اور فاتح اور غالب ہو کر مر جانا حقیقت میں تمہاری زندگی ہے

۲۔ انسانی روح کی عظمت فداکاری اور پائیداری کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں

" اِنَّ اللهَ یَهَبُ النُّفُوْسَ الشَّرِیْفَةِ لِعِبَادِهٖ لِاِحْتِمَالِ الْمَكَارِهِ۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّ الدُّنْیَا حُلْوُهَا وَ مُرُّهَا حُلْمٌ وَالْاِنْتِبَاهُ فِی الْآخِرَةِ" اللہ تعالیٰ شریف اور با عظمت روحیں اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے تاکہ وہ مصائب و مشکلات برداشت کر سکیں تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا کی تلخی اور شیرینی ایک خواب کی مانند ہے۔ صحیح معنوں میں بیداری آخرت میں ہو گی۔

آپ کا یہ جملہ اپنے والد بزرگوار جناب علی بن ابی طالب علیہ السلام کے اس قول سے ملتا جلتا ہے کہ فرماتے ہیں: "الناس نیام فاذا ماتوا انتبھوا" لوگ سوئے ہوئے ہیں جب مریں گے تو بیدار ہوں گے

۳۔ جب آپ مکہ سے عراق کیلئے سفر پر جا رہے تھے تو بار بار حضرت یحیٰ بن زکریا علیہما السلام کو یاد فرماتے تھے اور کہتے تھے " مِنْ هَوَانِ الدُّنْیَا عَلَى اللهِ اَنَّ رَاْسَ یَحْیَى بْنَ زَكَرِیَّا اُهْدِیَ اِلٰى بَغِیٍّ مِنْ بَغَایَا بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ "یعنی خداوند عالم کے نزدیک دنیا کی حقارت اور بے قدری کے لیے یہی کچھ کافی ہے کہ اللہ کے نبی حضرت یحیٰ بن زکریا کا مبارک سر بنی اسرائیل کی زانیہ عورتوں میں سے ایک عورت کے پاس ہدیہ بھیجا گیا۔ اس جملے سے آپ اپنی شہادت کی مثال حضرت یحیٰ بن زکریا کی شہادت کے ساتھ دے رہے تھے

۴۔ حضرت سید الشہدا حسین علیہ السلام اپنے فرزند ارجمند جناب امام زین العابدین علیہ السلام کو وصیت فرماتے ہوئے کہتے ہیں " اَیْ بُنَیَّ اِیَّاكَ وَ ظُلْمَ مَنْ لَّا یَجِدُ عَلَیْكَ نَاصِرًا اِلَّا اللهَ " فرزند عزیز! خبردار کسی ایسے شخص پر ظلم سے باز رہنا جس کا ناصر و مددگار صرف خداوند عالم ہی ہے۔ یقیناً جس مظلوم کا بارگاہ خداوندی میں آہ و فریاد کے علاوہ اور کوئی مددگار نہیں ہے اس کی آہ و فریاد ہی اس کا بہت بڑا معاون ہے۔

۵۔ خوف خدا کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں " لَا یَاْمَنُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلَّا مَنْ خَافَ اللهَ فِی الدُّنْیَا " قیامت کے دن صرف اسے ہی امن و سکون حاصل ہو گا جو دنیا میں خدا سے ڈرتا رہا۔

۶۔ اہلبیت پیغمبر کے ساتھ محبت اور مودت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں! حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے " اَلْزِمُوْا مَوَدَّتَنَا اَهْلَ الْبَیْتِ فَاِنَّهٗ مَنْ لَقِیَ اللهَ وَهُوَ یُحِبُّنَا دَخَلَ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَتِنَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا یَنْتَفِعُ عَبْدٌ بِعَمَلٍ اِلَّا بِمَعْرِفَتِنَا " ہم اہل بیتؑ کی محبت کو اپنے لیے لازم سمجھو، کیونکہ جو شخص ہماری محبت کے ساتھ خدا کے حضور پیش ہو گا۔ وہ ہماری شفاعت کی وجہ سے بہشت میں جائے گا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کسی شخص کو اس کے اعمال اس وقت تک فائدہ نہیں پہنچائیں گے جب تک اسے ہماری معرفت حاصل نہیں ہو گی۔

۷۔ اہل بیت کے مصائب پر گریہ کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں " مَا مِنْ عَبْدٍ قَطَرَتْ عَیْنَاهُ فِیْنَا قَطْرَةً اَوْ دَمَعَتْ عَیْنَاهُ فِیْنَا دَمْعَةً اِلَّا بَوَّاهُ اللهُ بِهَا فِی الْجَنَّةِ حُقُبًا " جس بندے کی آنکھوں میں ہمارے مصائب میں آنسو کا ایک قطرہ آجائے یا آنسو کا سیلاب بہنے لگے خداوند عالم اسے بہشت میں غیر متناہی عرصہ تک ٹھہرائے رہے گا۔

۸۔ بروز عاشورا اپنے قیام و انقلاب کے بارے میں ارشاد فرمایا " لَا وَاللّٰهِ لَا اُعْطِیْكُمْ بِیَدِیْ اِعْطَاءَ الذَّلِیْلِ وَلَا اُقِرُّ اِقْرَارَ الْعَبِیْدِ " خدا کی قسم! کسی ذلیل کی طرح میں تمہارے سامنے کبھی دست بیعت دراز نہیں کروں گا اور نہ ہی غلاموں کی مانند تم سے بھاگوں گا۔ یعنی تمہارے مظالم کا مردانہ وار مقابلہ کروں گا چاہے اس راستے میں مجھے موت ہی آجائے

۹۔اسی طرح کئی ایک مقامات پر بنی امیہ کے فوجیوں کی مخاطب کر کے فرمایا" أَلا وَإِنَّ الدَّعِيَّ ابنَ الدَّعِيِّ قَدْ رَكَّزَنِي بَيْنَ اثْنَتَيْنِ بَيْنَ السِّلَّهِ وَالذِلَّةِ وَهَيهاتَ مِنّا الذِلَّةُ" ناہنجار باپ کے ناہنجار بیٹے نے مجھے ایک دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے یا تلوار کی موت یا ذلت کی زندگی اسے یاد رکھنا چاہیے کہ مجھے تلوار کی موت منظور ہے لیکن ذلت کی زندگی گوارا نہیں۔اس لیے کہ ذلت ہم سے کوسوں دور ہے

۱۰۔جب بروز عاشورا آپ اور آپ کے یار وانصار فوج اشقیا کے محاصرہ میں آچکے تھے تو اس وقت آپ نے اپنے مالک وخالق کی بارگاہ میں ان الفاظ کے ساتھ مناجات فرمائی" اللَّهُمَّ أَنْتَ ثِقَتِي فِي كُلِّ كَرْبٍ وَأَنْتَ رَجَاءِي فِي كُلِّ شِدَّةٍ وَأَنْتَ لِي فِي كُلِّ أَمْرٍ نَزَلَ بِي ثِقَةٌ وَعُدَّةٌ كَمْ مِنْ كَرْبٍ يَضْعُفُ عَنْهُ الْفُؤَادُ وَتَقِلُّ فِيهِ الْحِيلَةُ وَتَعْيَا فِيهِ الأُمُورُ وَيَخْذُلُ فِيهِ الْبَعِيدُ وَالْقَرِيبُ وَالصَّدِيقُ وَيَشْمَتُ فِيهِ الْعَدُوُّ، أَنْزَلْتُهُ بِكَ وَشَكَوْتُهُ إِلَيْكَ رَاغِباً إِلَيْكَ فِيهِ عَمَّنْ سِوَاكَ فَفَرَّجْتَهُ وَكَشَفْتَهُ وَكَفَيْتَنِيهِ فَأَنْتَ وَلِيُّ كُلِّ نِعْمَةٍ وَصَاحِبُ كُلِّ حَاجَةٍ وَمُنْتَهَى كُلِّ رَغْبَةٍ"

یعنی میرے معبود ہر مصیبت میں تجھ پر میرا بھروسہ ہے ہر سختی و شدت میں تو ہی میری امیدوں کا سہارا ہے اور ہر نازل ہونے والی مصیبت میں تو میرا سرپرست ہے اور تجھ پر میرا بھروسہ ہے کس قدر ایسے رنج و غم ہیں کہ جن میں دل کمزور ہو جائے ہیں اور راہ چارہ بند ہو جاتی ہے دوست چھوڑ جاتے ہیں دشمن خوش ہوتے ہیں۔میں نے سب کچھ تیرے سپرد کر دیا ہے اور اس کی شکایت تیری بارگاہ میں کرتا ہوں میں نے ساری دنیا سے منہ موڑ کر تیری طرف ہی رجوع کر لیا ہے اور تو نے ساری مصیبتوں اور رنج و غم کو مجھ سے دور کرنے والا ہے تو ہی میرا اولی نعمت ہے اور ہر نیکی کا مالک ہے اور تیری ذات ہی میری آرزوں کی منتہائے مراد ہے۔

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ

آخر میں ہم اپنے قارئین گرامی کی خدمت میں گزارش کرتے ہیں کہ کربلا کے تفصیلی حالات اور سید الشہداء اور تمام شہداء کربلا کی شہادت کے تفصیلی تذکروں سے باخبر ہونے کیلئے ہماری تحریر کردہ کتاب "کاروانِ شہادت مدینہ سے مدینہ تک منزل بامنزل"تک کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔